جلد 26 شمارہ 10 ماہ اکتوبر 2024ء ربیع الثانی 1446ھ
واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا
اللہ
محبت
صداقت
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
ماہنامہ
فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لا حاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

فلاحِ آدمیّت

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاری رحؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈار رحؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ❁❁❁ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

پیامِ قرآن

یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳: آیت ۴۱،۴۲)
اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

وَ اِنْ کَانُوا لَیَقُوْلُوْنَ ۔ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِکْراً مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۔ لَکُنَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ۔ فَکَفَرُوا بِہٖ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ۔ (سورۃ الصّٰفّٰت ۳۷: آیات ۱۶۷۔۱۷۰)
یہ لوگ پہلے تو کہا کرتے تھے کہ کاش ہمارے پاس وہ 'ذکر' ہوتا جو پچھلی قوموں کو ملا تھا تو ہم اللہ کے چیدہ بندے ہوتے۔ مگر (جب وہ آ گیا تو) انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔

ءَاُنْزِلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ مِنْ بَیْنِنَا بَلْ ھُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ بَلْ لَمَّا یَذُوْقُوا عَذَابِ۔ (سورۃ صٓ ۳۸: آیت ۸)
کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص رہ گیا تھا جس پر اللہ کا ذکر نازل کر دیا گیا؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ میرے 'ذکر' پر شک کر رہے ہیں۔ اور یہ ساری باتیں اس لئے کر رہے ہیں کہ انہوں نے میرے عذاب کا مزا چکھا نہیں ہے۔

وَاذْکُرْ عِبَادَنَا اِبْرَاھِیْمَ وَ اِسْحَاقَ وَ یَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ۔ اِنَّا اَخْلَصْنَاھُمْ بِخَالِصَۃٍ ذِکْرَی الدَّارِ۔ (سورۃ صٓ ۳۸: آیت ۴۵۔۴۶)
اور ہمارے بندوں ابراہیمؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ کا ذکر کرو۔ بڑی قوت رکھنے والے اور دیدہ ور لوگ تھے۔ ہم نے ان کو ایک خالص صفت کی بنا پر برگزیدہ کیا تھا اور وہ دارِ آخرت کی یاد تھی۔

فرمانِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کر کے فرمایا کہ منافقین پر عشاء اور فجر تمام نمازوں سے زیادہ بھاری ہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ کاش! وہ سمجھ سکتے کہ عتمہ (عشاء) اور فجر کی نمازوں میں کتنا ثواب ہے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ہم نے عشاء کی نماز نبی ﷺ کی مسجد میں پڑھنے کے لئے باری مقرر کر لی تھی ۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اسے بہت رات گئے پڑھا۔ اور ابن عباسؓ اور عائشہؓ نے بتلایا کہ نبی کریم ﷺ نے نماز عشاء دیر سے پڑھی۔ بعض نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا کہ نبی کریم ﷺ نے "عتمہ" کو دیر سے پڑھا۔ حضرت جابرؓ نے کہا کہ نبی ﷺ عشاء میں دیر کرتے تھے۔ حضرت انسؓ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ آخری عشاء کو دیر سے پڑھتے تھے۔
(کتاب اوقات الصلوٰۃ، صحیح بخاری)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ جو کشتی میں میرے ساتھ (حبشہ سے) آئے تھے "نقیع بطحان" میں قیام کیا۔ اس وقت نبی ﷺ مدینہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ہم میں سے کوئی نہ کوئی عشاء کی نماز میں روزانہ باری مقرر کر کے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ اتفاق سے میں اور میرے ایک ساتھی ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ اپنے کسی کام میں مشغول تھے۔ (کسی ملی معاملہ میں آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ گفتگو فرما رہے تھے) جس کی وجہ سے نماز میں دیر ہوگئی اور تقریباً آدھی رات گزر گئی۔ پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ نماز پوری کر چکے تو حاضرین سے فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ پر وقار کے ساتھ بیٹھے رہو اور ایک خوشخبری سنو۔ تمہارے سوا دنیا میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں جو اس وقت نماز پڑھتا ہو، یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے سوا اس وقت کسی (امت) نے بھی نماز نہیں پڑھی تھی۔ یہ یقین نہیں کہ آپ نے کون سا جملہ کہا تھا، پھر راوی نے کہا کہ ابو موسیٰؓ نے فرمایا پس ہم نبی کریم ﷺ سے یہ سن کر بہت ہی خوش ہو کر لوٹے۔
(کتاب اوقات الصلوٰۃ، صحیح بخاری)

شاعرانہ کلام

(قاری محمد ممتاز شامی)

سانسوں میں تیری یادوں کی خوشبو دل میں تیری جستجو

جزی اللہ عنا محمد ما ھو اھلہ

زمین بھی تمہاری زماں بھی تمہارا یہ ہنستا ہنساتا جہاں بھی تمہارا

مکاں لا مکاں میں تمہارا ہی چرچا تیری ہی گفتگو

جزی اللہ عنا محمد ما ھو اھلہ

یہ ٹھنڈی یہ میٹھی یہ مہکی ہوائیں قصیدے تیرے میرے آقا سنائیں

درودوں کے تحفے سلاموں کے گجرے تجھ کو ملیں چار سو

جزی اللہ عنا محمد ما ھو اھلہ

خدا نے تو ایسا حسیں ہے بنایا کہ آقا کا سایہ نہیں ہے بنایا

تیری پیاری صورت میں بالکل عیاں ہے ذات حق ہو بہو

جزی اللہ عنا محمد ما ھو اھلہ

میرے آقا گر اس جہاں میں نہ آتے یہ انس و ملائک بھی صورت نہ پاتے

تیرے دم سے قائم ہیں ساری بہاریں اور سب رنگ و بو

جزی اللہ عنا محمد ما ھو اھلہ

یہ عصیاں کا مارا مدینے کو جائے کبھی حال دل بھی نبی کو سنائے

جگا دے اگر پھر سے شامی کی قسمت وہ جل جلالہ

جزی اللہ عنا محمد ما ھو اھلہ

ندائے عارف

(فرمودات شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب صاحب توحیدی مدظلہٗ)

(ماجد محمود توحیدی)

☆ ایک خادم حلقہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

آپ کتابوں کا مطالعہ جاری رکھیں تا کہ نئے آنے والے بھائیوں کو خاص طور سے آپ مطمئن کر سکیں۔ اپنے حلقے کی تعلیم سے متعلق جو Chapter ہیں، جس کتاب میں بھی آپ کو اچھے Chapter ملیں جو آپ کے ذہن نشیں ہو سکیں وہ پڑھیں۔ ایک دفعہ نہیں، دو دو تین تین دفعہ پڑھیں تا کہ آپ کے دماغ میں وہ ذخیرہ جمع ہو جائے اور نئے آنے والے بھائیوں کے لئے ایسے موقع پر وہ کام آئے۔ یہ آپ کے فرائض میں شامل ہے جس کو پورا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے۔ ارادہ ہو تو سب ہو جاتا ہے۔ آپ خادمان حلقہ یہ کوشش کریں۔ یہ خادمان حلقہ کی بات ہے۔ انہیں اس معاملے میں اپنے آپ کو تیار کرنا چاہئے۔

☆ میں نے باباجیؒ کو لکھا کہ میں یہ کر رہا ہوں، یہ کر رہا ہوں تو باباجیؒ نے مجھے خط میں واپس لکھا کہ بیٹا! اللہ اللہ کیے جاؤ، اس میں سستی مت کرو۔ اگر آخری وقت میں اللہ یاد رہا تو سمجھو پوری زندگی کامیاب رہی ورنہ پوری زندگی بیکار گئی۔ یہ بڑی Warning ہے۔ آخری وقت میں بالکل Alert رہنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہنا چاہئے۔ ہر وقت اللہ سے معافی مانگتے رہنا چاہئے اور اللہ سے عمل کی توفیق کی دعا کرنی چاہئے۔ یہ بہت ضروری ہے۔ میری عمر کے لوگ یا میرے سے چھوٹے جو ہیں ان کے لئے تو یہ بہت ضروری ہے

کیونکہ کہتے ہیں کہ شیطان آخری وقت میں ایمان نوچنے کے لئے بہت خطرناک حملے کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بچائے رکھے اور اپنی پناہ میں رکھے۔ اپنے لئے دعا کیا کریں، سب کے لئے دعا کیا کریں اور میرے لئے بھی دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی پناہ میں رکھے۔

☆ جب کسی سے کوئی غلطی ہو تو اسے پیار سے بتا دیا کریں۔ اسی سے آپ لوگوں کی اصلاح ہوگی۔ غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے۔ کوئی بھی فرشتہ نہیں ہے۔ آہستہ سے پیار سے بتا دیا کریں کہ آپ نے یہ غلطی کی ہے آپ اس کی اصلاح کر لیں۔ دوسرا یہ کہ جس کو بتائیں وہ اس بات کا برا نہ مانے کہ اس نے مجھے کیوں کہا۔ اپنی اصلاح کرنے اور کرانے کا یہی طریقہ ہے۔ اپنی اصلاح کریں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور اپنا سلوک پیار سے طے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آن لائن محفل مورخہ ۹ جولائی ۲۰۲۳ء کی گفتگو سے اقتباسات)

☆ اپنے فرائض منصبی خوب جوش و خروش سے ادا کرو۔ اس کا بھی مال ملتا ہوتا ہے۔

☆ حضور اقدس ﷺ پر درود و سلام پڑھنے اور درود و سلام بھیجنے کی بات ہوئی تو فرمایا:
یہ تو ہماری جرات ہی نہیں کہ ہم خود درود بھیجیں۔ ہم تو Through proper channel جاتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے Request کرتے ہیں کہ یا اللہ پاک تو ہمارے حضور اقدس ﷺ پر اپنی رحمتوں کا نزول فرما۔ جب ہم اللھم صلی علیٰ کہتے ہیں تو اللہ سے Request کرتے ہیں اور جب صلی اللہ علیک یا رسول اللہ کہتے ہیں تو اس میں ہم Direct ہو جاتے ہیں۔ یہ بھیجنا ہی ہوتا ہے۔ یہ سلام بھیجنا، یہ درود بھیجنا۔ اسے ہی بھیجنا کہتے ہیں۔ مجھے صحیح عربی کی لغت کا پتا نہیں ہے کہ اس میں کچھ خاص الفاظ طریقے سے

استعمال کریں تو وہ بھیجنا ہوتا ہے اور اگر ایسے پڑھیں تو پڑھنا ہوتا ہے۔

ہماری جو نیت ہوتی ہے اس کا ہمیں بھی اتنا پتا نہیں ہوتا مگر وہ جانتا ہے۔ یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہہ دیا کہ یا اللہ! آپ میرے اندر کی ساری باتیں سمجھتے ہیں اور مجھے آپ کا کچھ پتا نہیں ہے۔ اب یہ تمہارے بندے ہیں، انہوں نے جو کیا ہے تو یہ تمہارے بندے ہیں انہیں مارنا ہے تو ماردو اگر زندہ رکھنا ہے تو زندہ رکھو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ہمارے خیال سے، ہماری نفسیات سے، ہماری ہر چیز سے واقف ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ موقع ایسا ہے کہ یہاں سبھی آدمی لیٹے ہی ہوتے ہیں، ان میں اندر کوئی ایسی بات اکڑ پھوں والی نہیں ہوتی۔ اللہ میاں سب کی سن لیتا ہے اور خود ہی اپنا کام کر لیتا ہے۔ دعا کیا کریں اللہ ہم پر ایسی مہربانیاں کرتا رہے تو ہمارا گزارا ہوگا ورنہ ایسا ہمارا گزارا ہونا مشکل ہے۔

آپ نے تو ریسرچ کیا ہوا ہے، آپ کو ساری باتیں سوجھتی ہیں، ہمیں تو یہ ایسی باتیں سوجھتی بھی نہیں ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا سارا کچھ چھوڑا ہوا ہے۔ سارا کچھ Surrender کیا ہوا ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ یا اللہ! تو بہتر جانتا ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ جو کچھ بہتر ہے ہم سے وہ کروا۔ ہر اس بات سے ہمیں بچا جو تجھے پسند نہیں ہے۔ ہم تو یہی کہتے رہتے ہیں۔ اسی پر ہمارا گزارا ہو رہا ہے۔

اللہ آپ کو اسی طرح گہرائی میں جانے کی، سمجھنے کی، اور فعال ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں بڑی خوشی ہوگی اگر آپ ایسی باتیں سوچ سمجھ کر آگے نکلیں اور بالآخر آپ ہمیں بھی سمجھائیں۔ جزاک اللہ۔

☆ صحوی اور سکری تصوف کے موضوع پر بات ہوئی تو فرمایا:

انصاری صاحبؒ نے پہلے ہی خطبے میں اس کی نشاندہی کر دی تھی اور دوسرے خطبے

میں پھر اچھی خاصی تفصیل سے اس کی نشاندہی کی اور بتایا کہ صحوی اور سکری تصوف کیا ہیں۔ اپنے مرشد مولانا کریم الدین احمدؒ سے اپنی بات چیت کا حوالہ دیتے ہوئے بھی آپؒ نے عرض کیا کہ اُنہوں نے کہا کہ آج کل سو میں سے ننانوے تو سکری تصوف ہی ہے۔

سکری تصوف یہ ہے کہ وہ ہر وقت لا اور پلا کے چکر میں رہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جی مال کم ہے میرے پاس۔ مال بھیجو، مال بھیجو۔ ہمارے پاس بھی ایسے کئی بھائی ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ مال بھی ایک حد تک کام آتا ہے، مفید ہوتا ہے، ورنہ آگے جا کر یہ پھر نقصان دہ ہو جاتا ہے اور اس سے آدمی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔

ایک دفعہ آستانے پر قوالی ہو رہی تھی۔ سٹیج پر باباجیؒ بیٹھے تھے اور چائے پی رہے تھے، پیچھے بشیر مرزاؒ کے پاس میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ یہ بڑا ڈھیلا ڈھالا کام چل رہا ہے، کوئی تیز ترار نہیں ہے۔ یہاں تو عشق ہو تو کام بنتا ہے۔ باباجیؒ نے کان ایسے قریب کیے اور کہا کہ مولوی صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟ بشیر مرزاؒ سے پوچھا۔ بشیر مرزاؒ نے کہا کہ مولوی صاحب کہہ رہے ہیں کہ عشق کے بغیر کام بنتا نظر نہیں آ رہا۔ باباجیؒ نے اپنی تین انگلیاں لیں اور اپنے منہ پر ادھر ادھر لگائیں اور کہا: تو بہ تو بہ۔ عشق نہیں، حضور ﷺ والا طریقہ ہمارے لئے بہت ہے۔ ہم صحوی تصوف پر چلتے ہیں اور ہمارا سارا کام اسی پہ چلنا چاہئے۔ ماشاء اللہ ہمارے سارے بھائی اسی میں خوش ہیں۔

آپؒ بھی ان ساری باتوں کے خلاف تھے، اس لئے آپؒ نے دو خطبوں میں خاص طور سے باری باری اچھی طرح سے اس بات کی تلقین کی کہ خود بھی اس سے بچیں، اپنے بھائیوں کو بھی بچائیں اور اگر کوئی ایسا آدمی پینے پلانے والا آپ کو ملے تو اس سے معافی مانگ کے ایک طرف ہو جائیں۔ ان کے کہنے کو Appreciate مت کریں۔ یہ مجذوب جو ہوتے ہیں، کرامتیں ان سے بھی سرزد ہوتی ہیں۔ یہ بات باباجیؒ نے اپنے دو لفظوں میں ایسی Clear کی ہے

کہ یہ ہر ایک کے دماغ میں inject کر گئی ہے۔ آپؒ نے کہا کہ ہر بزرگ میں تھوڑی بہت روحانیت ہوتی ہے لیکن ہر روحانیت والا بزرگ نہیں ہوتا۔ یہ ایسے الفاظ ہیں جو کبھی بھول نہیں سکتے۔

آپ نے دیکھا ہوگا، آپ نے سنا ہوگا، باباجیؒ کے خطبوں میں بھی ہے کہ ہندوؤں میں کمال درجے کی روحانیت ہوتی ہے، عیسائیوں میں روحانیت ہوتی ہے، یہ حاصل کرنے کا ان کا انداز الگ ہے جو بڑا کٹھن ہے لیکن ان میں روحانیت ہوتی ہے۔ ایسے میں وہ تو بزرگ نہیں ہو سکتے۔ بزرگی کا تو معیار ہی الگ ہے۔ بزرگ تو اللہ کے پاس جاتے ہیں اور وہ اللہ کے قائل ہی نہیں ہیں۔ ہر روحانیت والے کو یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ بھی بزرگ ہے۔ تم خود بزرگ ہو، اپنی بزرگی استعمال کرو اور یہ ایسے کہ تم اپنے آپ کو دیکھو کہ تمہیں اللہ کتنا یاد رہتا ہے۔ اصل بزرگی یہ ہے۔ تمہیں اللہ یاد رہتا بھی ہے یا نہیں۔ اگر اللہ یاد رہتا ہے تو کتنا وقت اللہ کی یاد میں گزرتا ہے۔ آپ کا اخلاق کتنا اچھا ہے۔

باباجیؒ نے یہ بھی ہمیں بتایا ہے کہ اگر آپ لوگوں کو اپنا معلوم کرنا ہو کہ آپ کا سلوک طے ہو رہا ہے یا نہیں تو آپ اپنے اخلاق پر نظر ڈالیں۔ اگر آپ کا اخلاق بہتر ہو رہا ہے تو سمجھیں کہ آپ کا سلوک طے ہو رہا ہے۔ آگے پیچھے آپ کو لمبی چوڑی بات سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا سلوک طے ہو رہا ہے۔ شرط یہ ہے کہ آپ بتائی ہوئی باتوں پر پاکیزگی سے عمل کر رہے ہیں اور جتنا کچھ بتایا ہے اس پر عمل ہو رہا ہے۔ بس۔ باقی آپ کا سلوک بھی طے ہو رہا ہے اور آپ بزرگی بھی حاصل کر رہے ہیں۔ سارا کچھ ہو رہا ہے۔ اس کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹارگٹ ہم نے آپ کو دے دیا ہے۔ اس سے نیچے جتنے بھی مراتب ہیں وہ ہمارے لئے ہیچ ہیں۔

ایک دفعہ ہمارے کسی بھائی نے باباجیؒ کو لکھا کہ مجھے یہ ملا، مجھے وہ ملا، میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ تو باباجیؒ نے واپس اس بھائی کو خط لکھا اور انہوں نے

ہمیں پڑھایا۔اس میں لکھا تھا:آپ نے جو کچھ لکھا مجھے بڑی خوشی ہوئی، بڑی مہربانی۔لیکن مجھے اگر اتنا کچھ کرنے کے بعد قیامت میں جنت الفردوس ملے تو یہ میرے لئے دوزخ سے بھی برا ہے۔میں تو قدموں میں رہنا چاہتا ہوں۔اس سے کم نہیں۔

آخری مقام آپ کو باباجیؒ نے نشاندہی کر دی ہے، اس مقام کو ٹارگٹ رکھیں۔اس سے نیچے کسی بات کو آپ مت Consider کریں تاکہ آپ کا فضول باتوں میں وقت ضائع نہ ہو اور آپ اپنے ٹارگٹ کی طرف بڑھتے چلے جائیں۔

فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاء رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَداً۔ (سورۃ الکھف ۱۸: آیت ۱۱۰)

جسے اللہ سے ملنے کی امید ہو اسے نیک اعمال کرنے کا اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کا حکم ہے۔یہ ضروری ہے کہ وہ پاک صاف رہے، نیک اعمال کرے، اور اللہ کا شریک کسی کو نہ بنائے۔قرآن یہی کہہ رہا ہے اور باباجیؒ نے بھی ہمیں یہی بتایا ہے کہ میری تعلیم پر آپ عمل کرتے رہیں اور کسی بات کی آگے پیچھے، لمبی چوڑی سوچنے کی آپ کو ضرورت ہی نہیں ہے۔یکسوئی سے اس پر رہیں، ان شاء اللہ کامیاب ہوں گے۔

☆ آپ کسی بھی دوسرے سلسلے کے آدمی سے بات کریں، وہ کبھی اللہ کی رویت کے بارے میں بات ہی نہیں کرتے۔کہتے ہیں: توبہ توبہ، وہاں تک کون پہنچ سکتا ہے لیکن ہمارا عام آدمی بھی دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! مجھے اپنا دیدار نصیب فرما۔آپ اندازہ لگائیں۔یہ کیسا معیار باباجی نے مقرر کیا ہے۔ہر آدمی ہم میں سے جس درجے پہ بھی ہو، جیسا بھی ہو، وہ بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ سے ہی مانگتا ہے کہ یا اللہ! ہمیں اپنا دیدار نصیب فرما۔دوسرے لوگ اس کا سوچ بھی نہیں سکتے۔واقعی یہ بات ہی ایسی ہے کہ ہر کسی کی جرأت ہو نہیں سکتی۔

ہمارے انصاریؒ نے تو کہا ہے کہ

کہ می نازد بہ قرب و یاریٔ تو

انہوں نے یاری کا لفظ استعمال کیا۔کون کرسکتا ہے؟ یہ کس کی جرأت ہے؟ یہ یاری کا لفظ اللہ کے لئے صرف انصاریؒ کا کام تھا جس نے استعمال کیا اور ہماری بھی اس راہ میں حوصلہ افزائی کی۔ہم میں سے تو سارے ہی اب یہ کرتے ہیں۔اللہ کا فضل ہے کہ سب پرامید ہیں، سب ڈٹے ہوئے ہیں، جو طریقہ بتایا اس پر اپنے مقدور برابر کوشش کرتے ہیں۔اللہ کو بھی پتا ہے کہ میں نے انسان کو بڑا کمزور بنایا ہے۔جس قابل ہیں، اتنا کریں گے۔میں نے جو دینا ہے وہ خود ہی دینا ہے۔وہ ان شاء اللہ ہمیں خود ہی دے گا۔وہ ہمارے اعمال کو نہیں دیکھے گا۔ہماری فطرت سے وہ واقف ہے کہ ہم کیسے ہیں، ہم کتنے کمزور ہیں۔ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ سوچ دیکھیں کہ لالچ ہمیں اتنی ہے کہ ہم اللہ سے خود اسی کو مانگتے ہیں۔اس سے کم میں ہم مانگتے نہیں یہ لالچ ہے۔اس میں مسلمان اور انسان سارے برابر کے ہیں۔ ہو تو ارب پتی ہو، اس سے کم نہ ہو۔ ان شاء اللہ ہم نے جن کا دامن تھاما ہے انہوں نے ہمیں یہ رستہ دکھایا ہے اور ہم اس پر ان شاء اللہ اپنے مقدور برابر کوشش کرتے رہے ہیں، کامیابی دینے والا اللہ ہے۔ہم پرامید ہیں، ان شاء اللہ اللہ ہمیں کامیاب کرے گا۔

☆ اللہ کو ہر حال میں یاد رکھیں۔تاثر آپ کے ذہن میں ہر وقت رہنا چاہئے۔آپ جو کام بھی کریں یہ تاثر ہو کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔اگر یہ عام سا تاثر بھی رہے تو اس سے پھر غفلت نہیں ہوتی۔آپ Alert (خبردار) رہتے ہیں۔تاثر آپ کے ذہن میں ہر وقت موجود ہونا چاہئے کہ اللہ موجود ہے اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔اس میں اللہ کی حضوری ان شاء اللہ جلد میسر آجائے گی۔

☆ اب لوگ نجومیوں اور رمالوں کو بھی بزرگ سمجھتے ہیں۔ یہ جو نجومی ہوتا ہے یا جوطوطے سے فال نکالنے والے ہیں، یہ سارے بزرگوں کی لسٹ میں ہیں۔ **الحمد لله ، الحمد لله ،** ہمارے بھائی بڑے گستاخ ہیں، ان میں سے کسی کو بھی نہیں گانٹھتے کہ بھئی تم اپنا کام کر رہے ہو، ہمیں رہنے ہی دو۔ ہم ملنگ لوگ ہیں، ہم اپنا سا کام کریں گے۔ یہ بڑی حوصلہ افزا بات ہے۔ ہمیں صرف وہ جو بیعت نامے میں لکھ کر دیا ہے کہ ہم سوائے خدا کے نہ کسی سے ڈریں گے، نہ کوئی توقع رکھیں گے۔ ذرا اندازہ کریں کہ ہم کتنے بے دید بن گئے ہیں۔ اندازہ لگائیں۔ ہم سوائے خدا کے نہ کسی سے ڈرتے ہیں، نہ توقع رکھتے ہیں۔ کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ ہمیں انصاری صاحبؒ نے کہا ہے کہ تم بس ایسے بن جاؤ۔ ہمیں ان لوگوں کی فکر نہیں ہے کہ جاؤ جو مرضی کرو، تم اپنا کام کرو ہمیں اپنا کام کرنے دو۔ ہم اپنا کام کریں گے۔ یہ کیسی زبردست بات ہے۔

توحیدی کی یہ بات بڑی سخت ہے وہ کسی کو گھاس نہیں ڈالتا لیکن جب نماز پڑھتا ہے تو وہاں وہ کندن بن جاتا ہے۔ اس میں اسے خیال ہوتا ہے کہ میں نے کس سے بات کرنی ہے اور کس سے نہیں کرنی۔ وہ یہ سیکھ لیتا ہے۔ ورنہ یہ بات ایسی سخت ہے کہ کسی کی جرأت نہیں کہ کوئی اس سے بات کرے۔ اس سے بات کرنے کی بھی کوئی ہمت نہیں کرے گا، اتنے سخت الفاظ ہیں کہ نہ میں کسی سے ڈروں گا، نہ توقع رکھوں گا۔ مجھے کوئی فکر نہیں جو مرضی ہے، کرو، میں خودمختار ہوں۔ لیکن قبلہ انصاری صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اس کو کندن بنانے والی نماز ہے۔

توحیدیوں کی نماز کے متعلق انصاری صاحبؒ نے ایک اور بات بھی کہی ہے، سب سن لیں۔ آپ نے کہا کہ توحیدی رنگ کا آدمی جو ہوتا ہے، اس کی معیشت ہمیشہ کھلی رہتی ہے۔ روزی رزق میں اس کی تنگی کبھی بھی نہیں ہوتی۔ لیکن جو توحیدی آدمی نماز نہیں پڑھتا وہ اکثر معیشت کے لحاظ سے تنگ ہوتا ہے۔ یہ سب نوٹ کرلیں۔ نماز اس لئے بھی ضروری ہے کہ باباجیؒ نے کہا ہے کہ جو توحیدی آدمی نماز نہیں پڑھتا اس کی معیشت تنگ ہو جاتی ہے۔ نماز کی پابندی کریں۔

یہ فرض بھی ہے اور یہ لالچ بھی ہے۔انسان میں تھوڑی بہت لالچ تو ہوتی ہی ہے۔ یہ نماز آپ کی تختی جو ہے اسے بھی برابر کرتی ہے اور اس کی وجہ سے آپ کی معیشت میں بھی اللہ تعالیٰ بہتری لاتا ہے۔

☆ یہ جو شرکانہ عقائد اور ایسی چیزیں ہیں یہ ہمیں ہندوؤں کے ذریعے میسر ہوئی ہیں۔

☆ ہمارا خدا ایک ہے اور رسول ایک ہے۔جس کسی فرقے کا بھی یہ ایسا عقیدہ ہے وہ ہمارا بھائی ہے،ہم اس کے ساتھ کسی قسم کی بحث میں نہیں پڑتے۔وہ ہمارا بھائی ہے،ہم ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور وہ ہمارے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ہم فرقہ بندی کے قائل ہی نہیں ہیں۔ہمارا فرقہ ایک ہی ہے اور وہ اسلام ہے۔ہم اس کے قائل ہیں،دوسرے کسی فرقے کو ہم نہیں مانتے۔ ہمیں لاکھ کوئی اپنے دوسرے عقائد بتائے ، کچھ کرے،ہم اپنے عقیدے سے ٹلنے والے نہیں ہیں۔کسی اور کا ایسا عقیدہ جو ہم سے Differ (اختلاف) کرے ہم اسے نہیں مانتے۔البتہ ہمارے پاس ایسا کوئی فتویٰ کسی وقت نہیں ہوتا کہ ہم کسی کو کہیں کہ تو کافر ہے،تو یہ کرتا ہے۔ ہم کسی کو کافر نہیں کہتے۔ہمارے لئے سب مسلمان ہیں۔باقی اللہ تعالیٰ ان سے خود نمٹ لے گا جن کے عقائد میں کوئی تھوڑا بہت الٹ پھیر ہوگا۔اگر وہ کہتا ہے کہ میں خدا کو ایک مانتا ہوں،میں حضور اقدس ﷺ کی رسالت کا قائل ہوں،قیامت پر میرا ایمان ہے تو بس وہ مسلمان ہے ہم اس کو اپنا بھائی کہیں گے۔ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور وہ ہمارے پیچھے نماز پڑھے گا۔ہم ان کے بارے میں کسی قسم کے شک وشبے میں نہیں ہیں اور نہ ہی ہمارے پاس ایسا کوئی سرٹیفکیٹ ہے کہ ہم ان کو کفر کا سرٹیفکیٹ دے دیں۔ایسا جو لوگ کرتے ہیں ہم اسے برا سمجھتے ہیں۔

ہم اس بات کو برا سمجھتے ہیں کہ کوئی مسلمانوں کو غیر مسلم بنا کر اپنی تعداد میں خود کمی کر رہے ہیں۔میرا خیال ہے کہ ہم اس وقت بہتر (۷۲) سے زیادہ فرقے ہیں اور ہر ایک اپنے آپ کو ناجی اور دوسرے کو ناری کہہ رہا ہے۔ایسے میں آپ مجھے بتائیں کہ مسلمانوں کی تعداد ک

م ہو کر کتنی رہ جاتی ہے؟ اگر ہماری یہ حالت رہی تو جو کم ہیں ہم ان سے بھی کم ہو جائیں گے۔ اس لئے ہمیں باباجیؒ نے کہا ہے کہ تم کسی کو کفر کا فتویٰ دینے والے نہیں ہو۔ نہ ہی تمہیں یہ کسی نے اختیار دیا ہے۔ تم مسلمان ہو اور سب کو مسلمان سمجھو جب تک کہ وہ اللہ کی وحدانیت کا قائل ہو اور حضور اقدس ﷺ پر اس کا غیر متزلزل ایمان ہو، اور قیامت پر اس کا یقین ہو کہ قیامت آئے گی اور اس میں جزا و سزا ہوگی۔ بس یہ اس کے مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے اور اسے مسلمان سمجھو۔

اسلام کے لئے تو فرقہ بندی زہر قاتل ہے۔ قرآن میں بھی ہے کہ یہ جو فرقے فرقے بنا دیئے ہیں یہ اپنا نقصان آپ کرتے ہیں۔ ہر ایک اپنے آپ کو بہتر سمجھتا ہے۔ اصل حقیقت تو اللہ جانتا ہے، اللہ نے کوئی چیز بھی چھپا کے نہیں رکھی۔ سارا کچھ بتا دیا ہے کہ جن کے خیالات اور عقائد یہ ہوں گے وہ مسلمان ہوگا۔ اس لئے ہم توحیدی کم از کم اس معاملے میں دوٹوک رہیں کہ ہم اللہ کو ذات و صفات ہر لحاظ سے واحد اور بے مثل سمجھتے ہیں، حضور اقدس ﷺ کو اللہ کا سچا اور آخری رسول اور نبی سمجھتے ہیں، قیامت پر ہمارا یقین ہے کہ قیامت برپا ہوگی اور وہاں ہمیں ہماری نیکی اور بدی کی جزا و سزا ملے گی۔ بس باقی تمام رسولوں پر اور تمام کتابوں پر ہمارا ایمان ہے کہ جو نبی گزرے ہیں سارے سچے تھے، ان پر جو صحیفے، جو کتابیں نازل ہوئیں وہ سب سچی تھیں۔ فرشتے بھی ہیں، اللہ کی مخلوق ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ایجنسیاں ہیں، وہ ان سے کام لیتا ہے اور یہ برحق ہیں۔ ان سب پر ہمارا ایمان ہے۔ اور یہی ہمارے لئے بہت ہے۔ ہم اس سے کم کسی بات پر سوچنے کیلئے تیار ہی نہیں ہیں۔

(آن لائن محفل مورخہ ۱۶ جولائی ۲۰۲۳ء کی گفتگو سے اقتباسات)

☆ جو کچھ آپ کے علم میں ہے دوسروں کو Transfer کرتے رہیں تو اچھا ہے۔ اس طریقے سے آپس میں پیار بڑھے گا اور حلقے کی تعلیم کی سمجھ آئے گی۔ جو بھی دوسرے سے بات کرے گا تو کچھ ایسی ہی باتیں سمجھائے گا جو کچھ آپ نے اسے سمجھایا ہے۔ اس طرح حلقے کی تعلیم

ایک ایک کر کے ایک سے دوسرے کو پتا چلے تو حلقے کی تعلیم مکمل آپ تک پہنچ جائے گی۔ان شاء اللہ۔یہی کیا کریں۔کوشش کیا کریں کہ ایسے بیٹھ کر گپ شپ لگانے کی بجائے کتابوں میں سے کوئی اپنی زبان میں،اپنے لہجے میں یا کتاب سے پڑھ کے سنائیں جو کچھ بھی اس میں انداز ایسا ہو کہ بس بات سمجھ آجائے۔

☆　ممکن ہے کہ ہم اگلے مہینے کے پہلے اتوار کنونشن کی کوئی Date announce کریں تو اس کی بھی تیاری کریں۔پچھلے سال میں نے سب کو Task (ہدف) دیا تھا، میں دیکھوں گا کہ کس کس نے اس پر کیا عمل کیا ہے۔میں Remind کرا دیتا ہوں کہ پچھلے سال میں نے کہا تھا کہ بہت وقت ہو گیا ہم نے اپنے آپ کو یہ سوچ لیا ہے کہ ہم بس اب مکمل ہو چکے ہیں اور ہم نے کچھ نہیں کرنا۔لیکن ہمارے ذمے انصاری صاحبؒ سے لے کر ڈار صاحبؒ سے لے کر مجھ تک ہم ہر سال آپ لوگوں کو یہ یاد کراتے ہیں کہ خدا کے لئے ایک آدمی اپنے جیسا بنا کے کنونشن پر لے آیا کریں۔آج تک تو اس پر عمل نہیں ہوا۔انصاری صاحبؒ کے دور میں چونکہ ایئر فورس کے لوگ تھے، Energatic تھے، جوان تھے، وہ کر لیتے تھے۔باقی Civilians نے اس وقت بھی کچھ نہیں کیا۔آج بھی ہم Civilians بیکار ہیں، ہم سے کچھ نہیں ہو سکا۔

پچھلے سال میں نے Request کی تھی، کسی نے کچھ کیا ہو گا تو اب پتا لگ جائے گا۔نہیں کیا تو ابھی کر لیں تاکہ اپنا نمبر پیش کر سکیں اور آپ کو کم از کم عادت ہی پڑ جائے۔یہ کوشش کریں، ان شاء اللہ Date آپ کو پتا لگ جائے گی، ساتھ ساتھ کتابوں کا مطالعہ بھی کر لیں تاکہ تعلیم Practical ہونے کے بعد ذرا اچھی سمجھ آ جائے۔یہ طریقے ہوتے ہیں۔کنونشن میں جانے سے پہلے آدمی یہ کر لے تو اچھا رہتا ہے۔

☆ جس چیز کی خواہش ہی نہ ہو وہ آدمی کو کہاں ملتی ہے۔ایک جگہ باباجیؒ نے لکھا ہے کہ مسلمان کہتے ہیں کہ ہمیں دولت ملے نہ ملے کوئی بات نہیں، ہمارا وقت چل جائے گا۔باباجیؒ کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو دولت کہاں سے ملے گی جو سرے سے چاہتے ہی نہیں ہیں۔قوم مفلس ہے، غریب ہے، بھوکے مر رہے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ایسے میں انہیں دولت کہاں ملے گی۔یہ تو دنیا کی طلب کی بات ہے۔

باباجیؒ نے لکھا ہے کہ یہ خواہش، طلب بلا شبہ وہبی ہے، کسبی نہیں ہے۔یہ لاکھوں میں سالوں میں کوئی ایک آدھ آدمی پیدا ہوتا ہے جس میں ایسی خواہش ہوتی ہے پھر وہ ہم جیسے نکموں کو مل جاتا ہے کہ لو بھئی میں آ گیا ہوں۔یہ کسبی نہیں ہے۔باباجیؒ نے اس کا طریقہ بھی بتایا ہے کہ کسی کو شوق ہو تو پھر وہ اس کو بڑھا سکتا ہے اور وہی نتائج حاصل کر سکتا ہے جو ایک وہبی طلب والے انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔وہ یہ ہے کہ ایسی محافل میں جائیں، کتابیں پڑھیں، مطالعہ کریں، بزرگوں کے پاس آئیں جائیں، ان کی باتیں سنیں، ان کی مجلس میں بیٹھیں تو ان باتوں سے یہ طلب بڑھتی ہے۔اور پھر ساتھ عمل بھی شروع ہو جائے کیونکہ صرف طلب ہی کافی نہیں ہے۔طلب کے بعد پھر عمل کا نمبر آتا ہے۔جب عمل بھی طلب کے مطابق ہو تو پھر سونے پہ سہاگہ بن جاتا ہے اور اللہ میاں اُسے کامیاب کر دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر قدم قدم آگے چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان شاء اللہ کوئی وجہ نہیں ہم نے انصاری صاحبؒ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ مایوس نہیں کرے گا۔ہمیں اپنے اللہ سے امید ہے۔

☆ ہماری ذرا عمل کی کمی ہے۔تصوف میں جس عمل کی ضرورت ہوتی ہے اس کا معیار ہی سن کے آپ لوگ حیران ہوں گے۔ان کے لئے ایک لمحہ ضائع کرنا مصیبت ہے۔بڑا مسئلہ بن جاتا ہے کہ مجھ سے ایک لمحہ ضائع ہو گیا۔کیونکہ اس کے بدلے میں مقام ہی ایسا ملتا ہے اسی لئے اس طرح عمل بھی ہے۔

عمل اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ یہ کتنے پانی میں ہے۔ یہ میرا عاشق بنا پھرتا ہے، پتا نہیں یہ دودھ پینے والا ہے یا خون دینے والا ہے، دیکھوں تو سہی کہ یہ کیا کرتا ہے۔ اس سے تو کوئی پوشیدہ نہیں ہے۔ ساری باتیں اللہ کے علم میں ہیں۔ اللہ میاں اُسی کو دیتا ہے جو اس کا خواہشمند ہوتا ہے۔ اس معاملے میں وہ ایسا نہیں ہے کہ مفت دے دے۔ مفت نہیں دیتا۔

يُؤتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۔ (سورۃ البقرہ ۲: آیت ۲۶۹)

اللہ میاں کہتا ہے کہ میں یہ صرف ان کو دیتا ہوں جو دانشمند قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ عام لوگوں کو نہیں دیتا۔ اس لئے وہ یہاں بالکل رعایت نہیں کرتا۔ جو عمل کرے گا صرف اسے ملے گا، جو نہیں کرے گا اسے نہیں ملے گا۔ صاف کہہ دیا ہے کچھ چھپا کے نہیں رکھا۔

☆ انصاری صاحب کے مرید عام طور سے میری طرح جو ہیں وہ تو اکتفا کرتے ہیں کہ چلو یار کچھ نہ کچھ ہو جائے گا، بھائیوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں ان کی برکت سے کچھ ہو جائے گا۔ آج ذکر نہیں کیا تو کل سہی لیکن جو اللہ کے بندے ہیں، جنہیں واقعی طلب ہے، خواہش ہے، وہ آج بھی سو فیصد عمل کرتے ہیں۔ ماشاءاللہ۔

اللہ میاں قرآن میں دوٹوک کہتا ہے کہ میں کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ ایسے کھلے الفاظ ہیں۔ فرمایا کہ میں کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ اللہ قدر کرتا ہے، ضائع نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو باعمل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس میں ہم دوسرے بھائیوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کرتے جائیں۔ دعاؤں میں، بات چیت میں، ملنے ملانے میں، اس سے بڑا فرق ہو جاتا ہے، دوسرے انسان کو بھی فائدہ ہو جاتا ہے اور خود بھی انسان گھاٹے میں نہیں رہتا۔

☆ انصاری صاحب نے کہا ہوا ہے کہ ہمیں لوگوں کے اعمال کو ٹھیک کرنے کے علاوہ ایک اور بڑا کام کرنا ہے اور یہ لوگوں کے عقائد کی اصلاح کا کام ہے۔ ہر انسان اپنے عقائد کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے اور اصلاح کرنے والوں کی جان کا بھی اس میں خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے عقائد کی اصلاح میں انسان خود بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ کام بغیر زبردست لگن کے، کوشش کے ہو ہی نہیں سکتا۔ ان سے بھی بڑی بات باباجیؒ نے کہا ہے کہ یہ جو فرسودہ نظام جو ہمارے پاس مختلف رسم و رواج ہیں اور انہیں مذہب کا درجہ دیا ہوا ہے۔ ان سے جان چھڑانا تو سرے سے محال لگتا ہے۔

یہ ساری باتیں جو ہیں ان میں سے کون کون سی آپ ٹھیک کریں گے۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے آپ کو پہلے سو فیصد ٹھیک کر لیں پھر آپ کے طفیل، آپ کی وجہ سے ایک ایک، دو دو آدمی اللہ میاں اپنے رستے پر بلاتا جائے، اس طرح بڑھتے جائیں، ورنہ آج کل پرانے رسوم و رواج میں ملوث لوگوں کا Ratio اگر آپ دیکھیں تو میرا خیال ہے کہ اگر یہ زیادہ نہیں ہے تو یہ اسی نوے فیصد سے کم نہیں ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اپنی اصلاح کرنے اور دوسروں تک اس کو پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ دوسروں کے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحیح بات سننے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آن لائن محفل مورخہ ۲۳ جولائی ۲۰۲۳ء کی گفتگو سے اقتباسات)

نفس کی طاقت

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

نفس کی طاقت کا سب سے گھٹیا مظہر ہیں مسمریزم، ہپناٹزم، ٹیلی پیتھی اور انتقال خیال ایک دماغ سے دوسرے دماغ میں۔ میرے خیال میں یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ مسمریزم اور ہپناٹزم سے بیماریوں کا کامیاب علاج کیا جاتا ہے اور یورپ میں یہ طریقہ علاج بڑی سرعت سے پھیل رہا ہے۔ سر کا درد، جسم کے کسی اور حصہ کا درد، بخار وغیرہ کو اس کے عمل سے بہت جلد آرام آ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی مہلک بیماریوں کو بھی شفا ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ دیوانہ پن بھی جاتا رہتا ہے۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہمارے تصوف میں بھی یہ طریقہ صدیوں تک جاری رہا ہے۔ نقشبندیہ خاندان میں تو سلب مرض کا طریقہ باقاعدہ سکھایا اور عمل میں لایا جاتا تھا۔ میں نے اس کا بذات خود کامیاب تجربہ کیا ہے۔ اگر آپ اس سے متعلق کچھ جاننا چاہیں تو حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب ''قول الجمیل'' کا مطالعہ کریں۔ اس میں یہ طریقہ مختصر طور پر دیا ہوا ہے۔

مسمریزم کا ایک تماشہ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ عامل چھوٹی اور ہلکی مادی چیزوں کو صرف نظر اور انگلی سے اشارہ کر کے متحرک کر دیتا ہے اور وہ چیزیں گز دو گز فاصلہ طے کر کے عامل کے پاس آ جاتی ہیں۔ دیا سلائی، چاقو، گھڑی اور قلم وغیرہ۔ ہپناٹزم میں معمول پر خواب مقناطیسی طاری کر کے اس کے دل کا چھپا ہوا سارا حال پوچھا جا سکتا ہے۔ یہ طریقہ مجرموں سے جرم کا پتہ لگانے کے لیے بہت مفید ہے۔ ٹیلی پیتھی اور انتقال خیال یہ ہے کہ عامل معمول کو مقناطیسی نیند سلا کر اس سے ماحول وغیرہ کے متعلق سوال کرتا ہے اور صحیح جواب پاتا ہے۔

ایک مرتبہ دہلی کی جامع مسجد کے سامنے اسی طرح ایک عامل اپنے معمول کو بے ہوش کر کے طرح طرح کے سوالات پوچھ رہا تھا۔مثلاً عامل نے ایک آدمی سے گھڑی لی اور معمول سے جو بے ہوش سو رہا تھا اور جس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی پوچھا یہ کیا؟ معمول نے جواب دیا: گھڑی۔ عامل نے پوچھا: کیا بجا ہے؟ معمول نے درست جواب دیا۔ یوں وہ طرح طرح کے سوالات کر رہا تھا میں نے اپنے ہاتھ میں چونی دبائی اور عامل سے کہا اپنے معمول سے پوچھو میرے ہاتھ میں کیا ہے۔اس پر عامل نے کہا مجھے دکھایئے آپ کے ہاتھ میں کیا ہے۔ میں نے انکار کیا تو وہ کہنے لگا پھر تو میرا معمول نہیں بتا سکے گا۔اس سے ثابت ہوا کہ معمول کو صرف اس بات کا علم ہو سکتا ہے جو عامل کو معلوم ہے۔اسی کو انتقال خیال کہتے ہیں۔

ٹیلی پیتھی یہ ہے کہ عامل و معمول یا دو دوست شہر کے مختلف محلوں میں یا دو مختلف شہروں میں رہتے ہیں وہ ایک وقت مقرر کر کے لکھنے بیٹھ جاتے ہیں۔ایک آدمی کچھ سوالات وغیرہ لکھتا ہے۔دوسرا بھی بالکل وہی باتیں اپنے کاغذ پر لکھتا ہے۔ پہلا آدمی بھی اس وقت کچھ لکھتا ہے اور اس سے بالکل وہی جواب لکھا جاتا ہے جو نمبر ۲ نے لکھا تھا۔یہ بھی دراصل انتقال خیال ہی ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ پہلی حالت میں آمنے سامنے عمل ہوتا ہے اور اس صورت میں فاصلے سے۔بادی النظر میں یہ باتیں بڑی معرکۃ الاراء اور حیران کن ہیں۔لیکن جن صوفیوں نے سلوک میں کمال حاصل کیا ہے ان کے نزدیک یہ سب کچھ بازیچہ اطفال سے زیادہ نہیں۔ ایک صوفی اپنے مریدوں پر توجہ کے ذریعہ جو چاہے وہی اثر ڈال سکتا ہے۔لاہور میں بیٹھے ہوئے لندن یا نیویارک جیسے دور دراز مقامات میں اپنے مریدوں کے دماغ پر توجہ دے کر ان کی بری عادتیں چھڑا سکتا ہے اور ان کی اصلاح کر سکتا ہے۔دور بیٹھے ہوئے مریضوں پر صرف خیال اور تصور سے دم کر کے ان کے امراض کو دور کر سکتا ہے۔جو چاہے وہ پیغام پہنچا

سکتا ہے اوراس کا جواب لے سکتا ہے۔ یہ کوئی دور راز کار باتیں نہیں۔خود میرا اپنا روزمرہ کا تجربہ ہے۔

ایک اور بات قابل غور ہے کہ ایک مسمرائزر یا ہپناٹسٹ اپنے معمول کو پہلے سے بتا دیتا ہے کہ جو میں کہوں تم بھی اسی کا تصور کرنا اور اپنی قوت ارادی کو میرے سپرد کر دینا۔اب اگر معمول عامل کے خلاف سوچے اور یہ خیال کرے کہ عامل کا اثر ہرگز قبول نہ کروں گا تو پھر ایسے معمول پر عامل کا کوئی اثر نہیں ہوتا ۔حالانکہ مسلمان صوفی کو اس کی مطلق ضرورت نہیں۔ وہ جس کو چاہے اپنی توجہ سے اس کے خیالات بدل سکتا ہے اور اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکتا ہے۔

یہ تو تھے مسمریزم وغیرہ کے معمولی کرشمے مگر نفس کی طاقت اس سے کہیں بڑے بڑے کام انجام دے سکتی ہے' مثلاً محض قوت ارادی سے بڑے بڑے بوجھوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دینا'مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ ہو جانا' طے الارض یعنی ہزاروں میل کا فاصلہ چند سیکنڈ میں طے کر لینا' شکل تبدیل کر لینا یا لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جانا' کشف سے دل کا حال یا ماضی و مستقبل کا حال بتا دینا وغیرہ وغیرہ۔

ان کے علاوہ ایک اور علم نفس سے متعلق ہے جس کو سیمیا کہتے ہیں اس میں یہ ہوتا ہے کہ موجود کچھ ہوتا ہے لیکن نظر کچھ آتا ہے۔یا موجود کچھ بھی نہیں ہوتا اور عامل جو کچھ دکھانا چاہے وہی نظر آنے لگتا ہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود اپنی آپ بیتی لکھ دوں جس سے مندرجہ بالا امر کی تصدیق ہو جائے گی۔

ہوا یہ کہ ہندوستان کا بٹوارہ ہونے کے بعد جب ہر طرف افراتفری اور طوائف الملوکی

پھیلی ہوئی تھی۔ ۱۴ستمبر کو میں نے ارادہ کیا کہ جو کچھ بھی ہو پاکستان چلنا چاہیے۔ چنانچہ جیسے بن پڑا میں نظام الدین بستی کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچا۔ میرے ساتھ میرا لڑکا اور میرے برادر نسبتی حبیب الرحمٰن صاحب تھے۔ پہلی ٹرین جو صبح ٦ بجے جاتی تھی ہمارے ہاتھ نہ آئی۔ مگر دوسری ٹرین جو ۱۲ بجے چھوٹی تھی ہم کو جگہ مل گئی۔ اور ہم پاکستان کے لیے روانہ ہوئے۔ دوستوں نے بہتیرا منع کیا اور سمجھایا کہ ایسے وقت میں جانا درست نہیں' دھڑ ادھڑ ریل گاڑیاں کٹ رہی ہیں اور کوئی بھی صحیح سلامت لاہور نہیں پہنچتی۔ میں نے کہا تن بہ تقدیر جو کچھ بھی ہو موت کا ایک وقت مقرر ہے اگر آئی ہے تو کون بچا سکتا ہے اور اگر زندگی ہے تو کون مار سکتا ہے۔ الغرض ٹھیک بارہ بجے گاڑی روانہ ہوگئی۔ یہ دہلی جنکشن پر نہیں ٹھہری کیوں کہ وہاں مسلمانوں کو چن چن کر قتل کیا جا رہا تھا اس لیے گاڑی سیدھی غازی آباد جنکشن پر رکی۔ مجھ کو اس وقت معلوم ہوا کہ ہو کیا رہا ہے۔ پنجاب سے آنے والی گاڑیوں میں سکھ اور ہندو ڈبوں میں کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے بلکہ ریل کی چھت پر بھی سینکڑوں آدمی سوار تھے۔ گاڑی وہاں صرف دس منٹ ٹھہری اور خیریت سے روانہ ہوگئی۔ راستہ میں ہمارے اوپر گولیاں وغیرہ بھی چلائی گئیں مگر کوئی نقصان نہیں ہوا۔ ریل کے دونوں طرف آدمیوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ مسلمانوں کے قافلے ہیں۔ جو مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے پاکستان جا رہے ہیں۔ راستہ میں کیا کیا واقعات پیش آئے طوالت کے خوف سے حذف کر کے اصل واقعہ لکھتا ہوں۔ دوسرے دن کوئی دو بجے ہماری گاڑی جالندھر پہنچی اور وہاں کوئی دو گھنٹے ٹھہر کر آگے روانہ ہوگئی۔ چند میل چلنے کے بعد دیکھا کہ ہم سے پہلے جو گاڑی صبح چھ بجے بستی نظام الدین سے چلی تھی اور ہم سے مس ہوگئی تھی وہ کٹی پڑی ہے۔ ٹرین کو ڈی ریل کر دیا گیا تھا جا بجا ٹوٹے پھوٹے ڈبے لوٹے پڑے تھے۔ بیسیوں لاشیں پڑی تھیں کچھ آدمی کھڑے حسرت

سے ہماری گاڑی کو دیکھ رہے تھے اور چیخ رہے تھے کہ آگے نہ جاؤ۔ مگر رکنا یا جانا ہمارے ہاتھ میں نہ تھا۔ خدا خدا کر کے بیاس کا اسٹیشن آیا اور گاڑی وہاں رک گئی۔ تمام پلیٹ فارم اسباب سے بھرے ہوئے تھے مگر آدمی ایک بھی نہ تھا۔ میرے ڈبہ کے سامنے صرف ایک بڈھا سکھ بیٹھا تھا' میں نے اسے پوچھا سردار جی! یہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ ہمارے قافلے کا سامان ہے۔ میں نے پوچھا کہ قافلہ کہاں ہے۔ تو اس نے کہا کہ وہ گاؤں دیہات سے اپنی رسد لوٹنے گئے ہیں۔ یہ باتیں ہونے کے کوئی گھنٹے بھر بعد سکھ آنے شروع ہوئے اور اسٹیشن سے باہر جو بڑ کا درخت تھا وہاں جمع ہونے لگے دیکھتے دیکھتے ان کی تعداد کوئی تین سو سے زائد ہوگئی۔

سب نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ داڑھیوں پر سفید ڈھاٹے بندھے تھے۔ ہاتھ میں ننگی کرپانیں تھیں۔ میں اطمینان سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا اور میرے دل میں اس بات کا شائبہ بھی نہ تھا کہ ہم کو کاٹ سکتے ہیں۔ اس وقت سارے پلیٹ فارم پر اور میری کھڑکی کے نزدیک کوئی آدمی بھی نہ تھا کہ یکا یک مجھے گاڑی کے اندر سے رونے کی آواز آئی۔ مڑ کر جو دیکھا کہ عورتیں' بچے' بوڑھے اور جوان سب رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا بھئی تم کیوں روتے ہو۔ ایک شخص نے جواب دیا کہ تم کو دکھائی نہیں دیتا کہ سکھ آگئے ہیں۔ اب ہم کو کاٹیں گے۔ میں نے جواب دیا کہ جب کاٹیں گے اس وقت رولینا۔ پہلے سے واویلا کر کے ان کی توجہ اپنی طرف کیوں کراتے ہو۔ مگر کون سنتا۔ اس پر میں کھڑا ہوا اور میں نے چلا کر کہا ''خاموش ہو جاؤ'' اس پر وہ خاموش ہوگئے۔ میں نے ان سے کہا رو ؤمت بلکہ یا حفیظ یا سلام پڑھو۔ خدا کو اپنے ساتھ محسوس کرو اور دشمن کی کرپانوں کو دیکھتے رہو۔ چنانچہ سب نے چلا چلا کر یا حفیظ یا سلام پڑھنا شروع کر دیا۔ ان کی طرف سے ہٹ کر میں پھر کھڑکی کی طرف مڑا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی کھڑکی میں کہنی ٹکائے کھڑا ہے اور سکھوں کی طرف دیکھ رہا ہے' یہ بہت پستہ قد'

دبلا پتلا' نہایت بدصورت آدمی تھا اور اس نے ریلوے خلاصی کی وردی پہنی ہوئی تھی۔ ہم دونوں سکھوں کو دیکھتے رہے۔ نہ وہ مجھ سے بولا نہ میں نے اس سے کچھ کہا۔ اب لوگوں کو یا حفیظ یا سلام پڑھتے ہوئے مشکل سے دس منٹ گزرے ہوں گے کہ یکا یک سکھ واپس جانے شروع ہو گئے اور وہاں ایک سکھ بھی نہ رہا۔ اس کے بعد ہماری گاڑی کوئی پندرہ منٹ تک رکی رہی اور پھر اللہ اللہ کر کے حرکت میں آئی۔ اس خلاصی نے مجھ سے کہا "انصاری صاحب اب آرام سے جائیں لاہور تک کوئی خطرہ نہیں" میں نے کہا آپ نہیں بیٹھتے۔ اس نے جواب دیا: "ہمارا کیا ہے' جب چاہیں گے آ جائیں گے۔ اب گاڑی کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ وہ پلیٹ فارم پر کھڑا ہو گیا۔ میں برابر اس کو دیکھتا رہا کہ وہ یکا یک غائب ہو گیا۔ کچھ دیر تو میرے دماغ میں کچھ نہ آیا۔ لیکن پھر یکا یک یہ خیال ابھرا کہ یہ شخص میرا نام کس طرح جانتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب ہمارے ساتھ فوج یا پولیس نہیں ہے تو یہ سکھ کیوں واپس چلے گئے گاڑی کاٹنے سے انہیں کون روک سکتا تھا۔ الغرض! ہم خیر سے لاہور پہنچ گئے وہاں سے دو ہفتے بعد کراچی روانہ ہو گئے۔ کئی سال گزر گئے۔ میرے دل میں کبھی کبھی یہی دو سوال اٹھتے رہے لیکن جواب نہ ملا۔ ایک دن اتفاق سے میں ایک دوست سے ملنے کے لیے گیا تو اس کے پاس ایک نوجوان بیٹھا تھا جو نہایت خوبصورت کلین شیو' بال بنے ہوئے اور کم از کم ۵سو روپے کا سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ میرے دوست نے میرا اس سے تعارف کرانا چاہا تو اس نے کہا: انصاری صاحب تو مجھے پہلے سے جانتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ جناب میں آپ سے کبھی نہیں ملا۔ تو اس نے کہا کیوں وہ فساد والی گاڑی یاد نہیں۔ میں نے پوچھا کون سی فساد والی گاڑی۔ تو اس نے جواب دیا وہی جو بیاس کے اسٹیشن پر کھڑی تھی اور سکھ جمع ہو رہے تھے۔ میں نے پوچھا تو کیا آپ بھی ہمارے ہی ڈبے میں تھے؟ اس نے جواب دیا نہیں مگر آپ کی کھڑکی میں کہنی ٹیکے

جو خلاصی کھڑا تھا اس کو آپ بھول گئے۔ میں بھونچکا رہ گیا۔ میں نے پوچھا اچھا تو وہ آپ تھے۔اس نے کہا جی جہاں آپ کے ڈبہ پر میری ڈیوٹی تھی۔ میں نے پوچھا اچھا تو آپ رجال الغیب میں سے ہیں۔وہ ہنسا اور اس نے کہا یوں ہی سمجھ لیجیے۔میں نے اس سے پوچھا یار یہ تو بتاؤ کہ وہ سکھ کیوں واپس لوٹ گئے حالانکہ ان کو کوئی چیز مانع نہ تھی۔اس نے جواب دیا کہ میں سکھوں کو یہ دکھا رہا تھا کہ آپ کی گاڑی کے ہر دروازے اور ہر کھڑکی کے سامنے ایک مسلح باوردی سپاہی رائفل لیے کھڑا ہے اور گاڑی کی چھت پر مشین گنیں لگی ہوئی ہیں۔اس کے جواب سے میری تسلی ہوگئی اور میں مان گیا کہ ”سیمیا بھی کوئی حقیقی چیز ہے محض گپ نہیں ہے۔“

اب تک جو کچھ لکھا گیا اس سے یہ دکھانا مقصود تھا کہ غیر مسلم روحانی عالموں میں کرشمے اور خوارق عادات دکھانے کی جو طاقت ہے وہ مسلمان بزرگوں میں اس سے کہیں زیادہ اور مکمل طور پر موجود ہے۔لیکن فرق یہ ہے کہ مسلمان فقراء اور صوفیاء کو ان باتوں کی تشہیر سے منع کیا گیا ہے۔اس لیے وہ مشہور نہیں اور بہت کم لوگ ان کو جانتے ہیں۔

ہندوؤں کے روحانی اشغال میں ایک یوگا ہے۔یوگی واقعی ایسے کرشمے دکھاتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ہندوؤں نے پوری ایک صدی یورپ اور امریکہ میں یوگا کی اتنی تبلیغ کی کہ آج امریکہ میں لوگ دھڑا دھڑ ہندو بن رہے ہیں۔کاش اسلامی روحانیت سے کوئی ان کو آشنا کرا دیتا تو بہت سے امریکن مسلمان ہو جاتے۔ہندوؤں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بے شمار یورپین خصوصاً انگریز خود ہندوستان آئے تاکہ اپنی آنکھوں سے یہ کرشمے دیکھیں، یہ لوگ برسوں یہاں رہے' ایک ایک مندر اور ایک ایک کٹیا میں جہاں کسی یوگی کا پتہ چلا' گئے اور ان کے کمالات آنکھوں سے دیکھے۔

میری عمر ۱۴۔۱۵ سال کی ہوگی۔ میں دہلی میں مقیم تھا کہ ایک دن میرے ایک چچا زاد بھائی نے کہا کہ ایک بڑا یوگی آیا ہے اور چھٹی رسائی کے باغ میں رہتا ہے۔عجیب عجیب تماشے دکھاتا ہے۔چلو گے؟ میں نے کہا ضرور! چنانچہ دوسرے دن ہم چھٹی رسائی کے باغ میں گئے۔۵۔۵ روپے کے دو ٹکٹ لیے اور اندر داخل ہو گئے۔ہال تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔یوگی نے عجیب وغریب کرتب دکھائے ان میں سے صرف دو یاد رہ گئے۔ کیوں کہ وہ واقعی عجیب تھے۔

ایک تو یہ تھا کہ یوگی ہال کے بالکل سنٹر میں آنکھیں بند کر کے کھڑا ہوا حبس دم کر کے سانس روک لیا۔اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھنا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ اس کا سر چھت سے لگ گیا پھر وہ آہستہ آہستہ نیچے اتر آیا۔دوسری مرتبہ کرسی پر بیٹھ کر معہ کرسی چھت تک اٹھ گیا۔تیسری دفعہ اس نے اپنے سامنے ایک میز بھی رکھ لی اور معہ میز کرسی کے چھت تک پہنچ گیا۔

دوسرا کرتب یہ تھا کہ اس ہال کے آٹھ دروازے تھے ہر ہال میں اس جیسا ایک ایک آدمی کھڑا ہوگیا۔یوگی نے ایک کو اشارہ کیا وہ چلا اور یوگی کے پاس آ کر اس کے جسم میں غائب ہوگیا اور اسی طرح باقی ۷ آدمی بھی ایک ایک کر کے اس کے جسم میں غائب ہو گئے۔

ایک اور واقعہ یوگ کا میں نے حضرت نظام الدین اولیاء کی بابت کسی تذکرے میں پڑھا کہ جب حضرت کی خانقاہ میں باولی کھدوائی جارہی تھی۔۳۰۔۴۰ فٹ نیچے جا کر ایک سمادھی (مٹھ) نکل آئی،مزدوروں نے اس کی کچھ اینٹیں اکھاڑ کر دیکھا تو اس میں ایک سادھو آسن جمائے بیٹھا تھا۔حضرت نے اس کو اٹھا کر ایک بڑے صندوق میں بند کر دیا جس میں روئی بھری ہوئی تھی۔پھر صندوق کو اپنے حجرے میں رکھوا دیا اور روزانہ تھوڑی تھوڑی روئی اس کے

اوپر سے اٹھاتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ جاگ پڑا۔ سنسکرت دانوں کے ذریعہ بات چیت کی تو معلوم ہوا کہ وہ ایک راجہ کے زمانہ میں بیٹھا تھا۔ حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ وہ پانچ سو برس پہلے سمادھی میں بیٹھا تھا۔ حضرت نے اس سے پوچھا کہ تم نے اس عرصہ میں کیا کیا دیکھا۔ یوگی نے جواب دیا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں میں تو سو رہا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر تو یہ کام بالکل بے کار ہے تم کو اس عرصہ میں یہاں کا کچھ علم ہوا نہ وہاں کا۔

ایک واقعہ ڈاکٹر پال برنٹن نے اپنی کتاب ''اے سرچ ان سیکرٹ انڈیا'' (A SEARCH IN SECRET INDIA) میں لکھا ہے کہ جب ہندوستان میں ہندو روحانیت اور خصوصاً یوگ کی تحقیقات کر رہا تھا تو اس نے ایک شخص مہر بابا نامی کی بابت سنا جو جنوبی ہند میں بہت مشہور تھا۔ چنانچہ برنٹن اس سے ملا۔ بابا غار میں رہتا تھا اور اس کے مریدوں نے غار کے آس پاس گھر بنا لیے تھے۔ مہر بابا تمام پارسیوں کا متفقہ پیشوا تھا، لیکن جنوبی ہند کے تمام آدمی اس سے عقیدت رکھتے تھے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میں نیا مسیحا ہوں۔ ابھی میں عبادت میں مصروف ہوں لیکن ایک وقت آنے والا ہے جب کہ میں دنیا کے تمام مذاہب کو ملا کر ایک نیا مذہب بناؤں گا اور کرہ زمین سے شر و فساد کو مٹا کر ابدی امان قائم کردوں گا۔ برنٹن نے اس کے متعلق کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی۔ اس نے لکھا ہے کہ ابھی ناتجربہ کار ہے شیخی زیادہ مارتا ہے۔ بہر حال اس کے سال بعد مہر بابا اپنے غار سے نکلا اور امریکہ میں اپنے مشن کا پرچار کیا۔ بہت آدمی اس کے ہم خیال ہو گئے اور وہ ابھی چار پانچ سال ہوئے شمالی یورپ میں اپنے مسلک کی تبلیغ کرتے ہوئے مر گیا۔ یہ قصہ میں نے جس خیال سے لکھا ہے وہ یہ بتانا ہے کہ مہر بابا کو یہ بزرگی اور فقیری کہاں سے ملی۔

برنٹن لکھتا ہے کہ وہ ایک متوسط الحال پارسی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ پونا کے ایک

کالج میں ایف اے میں پڑھتا تھا۔ کافی خوبصورت تھا۔ جس سڑک سے وہ کالج آتا جاتا تھا وہاں راستہ میں ایک مسلمان فقیرنی رہتی تھی جو بابا جان کے نام سے مشہور تھی۔ (میں راقم الحروف اس سے خود کئی دفعہ ملا ہوں) یہ ایک بزرگ اور بوڑھی عورت تھی۔ سینکڑوں کرامتیں اس سے ظہور پذیر ہوئی تھیں اور ہزاروں آدمی اس کی زیارت کو روزانہ آتے تھے' ایک دن مہر بابا سائیکل پر سوار کالج سے گھر جا رہا تھا۔ جب وہ بابا جان کے پاس سے گزرا تو بابا جان نے اس کو اشارہ کیا کہ ادھر آؤ۔ وہ سائیکل سے اتر پڑا اور بابا جان کے پاس آ کر نہایت ادب سے سلام کیا۔ بابا جان نے کھڑے ہو کر اس کو گلے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دے کر کہا جاؤ۔ مہر بابا گھر پہنچا تو اس پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اس نے کتابیں پھینک دیں' کھانا پینا چھوڑ دیا اور سارا وقت عبادت میں گزارنے لگا۔ چند سال بعد اس نے گھر بھی چھوڑ دیا اور ناسک کے قریب جنگل میں ایک زمین دوز مکان بنا کر عبادت و ریاضت میں مصروف رہنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس سے کشف و کرامات کا اظہار بھی ہونے لگا اور وہ مرجع خلائق بن گیا۔

اب آپ غور کریں اور دیکھیں کہ غیر مسلم اور خصوصاً ہندوؤں کے تصوف میں کس قدر محنت اور ریاضت کرنی پڑتی ہے' دنیا کو چھوڑنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر دس پندرہ برس بعد کرامت اور کشف حاصل ہوتا ہے۔ حالانکہ مسلمان سالک میں دس پندرہ ماہ میں (بشرط محنت) یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ ہمارا مقصود اور مطمح نظر خدا ہے۔ اس لیے ایسی چیزیں راستہ کی رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن ہندوؤں کا تو مقصود ہی کشف و کرامت ہے وہ تو یہ حاصل ہونے کے بعد وہی ٹھہر جاتے ہیں۔ مگر ہم خدا تک پہنچنے کے لیے آخر عمر تک اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں رکنے کا نام نہیں لیتے۔

فوائد ذکر

(حافظ ابن القیم)

ذکر الٰہی میں سو سے زیادہ فوائد ہیں (جن میں سے چند حسب ذیل ہیں)۔

(۱) ذکر الٰہی شیطان کو ذلیل و رسوا کرتا ہے۔اور اسے دور بھگاتا ہے اور اس کے منصوبے فیل کر دیتا ہے۔

(۲) ذکر الٰہی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا باعث ہوتا ہے۔

(۳) ذکر الٰہی دل کے تمام غم و فکر و قلبی پریشانیوں کو دفع کرتا ہے۔

(۴) ذکر الٰہی دل میں فرح و سرور اور انبساط اور عیش و خوشی پیدا کرتا ہے۔

(۵) ذکر الٰہی دل اور بدن کو طاقت بخشتا ہے۔

(۶) ذکر الٰہی دل کو روشن اور چہرے کو نورانی کرتا ہے۔

(۷) ذکر الٰہی کشائش رزق کا موجب ہے۔

(۸) ذکر کو رعب و ہیبت ،لذت و حلاوت اور غور و تدبر کا لباس پہناتا ہے۔

(۹) اس سے محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے جو اسلام کی روح ،آسیائے ملت کا قطب اور سعادت و نجات کا مدار ہے اور اللہ عزوجل نے ہر چیز کا کوئی سبب بنا دیا ہے اور محبت کا سبب و وسیلہ ذکر الٰہی کی مداومت ہے۔ جوں جوں ذکر میں اضافہ ہوگا توں توں محبت الٰہی بڑھتی جائے گی لہٰذا محبت الٰہی کے طالب و خواہش مند کو تمام علائق توڑ کر ذکر الٰہی پر ٹوٹ پڑنا چاہیے اور حد سے زیادہ شوق و رغبت اور توجہ و انہماک سے ادا کرنا چاہیے، کیونکہ جس طرح علم درس و مذاکرہ اور تکرار سے بڑھتا ہے اسی طرح کثرت سے ذکر سے محبت الٰہی بڑھتی ہے جس طرح

درس وتکرار علم کا دروازہ ہے اسی طرح ذکر الٰہی محبت کا دروازہ، محبت کا شارع اعظم اور صراط اقوم (سیدھا راستہ) ہے۔

(۱۰) ذکر الٰہی سے محاسبہ نفس کا مادہ پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ ذکر ذاکر کو "باب الاحسان" یعنی دروازہ احسان کے اندر داخل کر کے دم لیتا ہے۔ جہاں پہنچ کر وہ اللہ کی اس طرح عبادت کرتا ہے گویا اللہ تعالیٰ کو بچشم خود دیکھ رہا ہے۔ مگر یاد رکھیے! جس طرح کوئی شخص دھرنا مار کر بیٹھ رہنے سے گھر تک نہیں پہنچ سکتا بعینہ اسی طرح کوئی شخص ذکر الٰہی سے غافل بیٹھ کر مقام احسان تک نہیں پہنچ سکتا۔

(۱۱) ذکر الٰہی سے انابت حاصل ہوتی ہے، انابت کہتے ہیں رجوع الی اللہ کو تو انسان جب ذکر الٰہی کی وجہ سے اللہ کی طرف زیادہ رجوع کرے گا اسی قدر اس کا دل تمام حالات، تمام معاملات اور تمام کاروبار میں اللہ تعالیٰ کی جانب پھرے گا۔ اللہ کی طرف متوجہ ہو گا اور محض اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا مربی تصور کرے گا حتیٰ کہ صرف ایک اللہ ہی اس کا ملجاو ماویٰ اللہ ہی اس کی جائے پناہ ہو گا۔ اللہ ہی ہر مصیبت و پریشانی میں اس کا دستگیر ہو گا اور اللہ ہی اس کا مرجع و معاد اور قبلہ و کعبہ دل ہو گا۔ اور نزول مصائب و بلیات کے وقت صرف ایک اللہ کو پکارنے کا عادی، بلکہ ماہر و پختہ کار ہو جائے گا۔

(۱۲) ذکر الٰہی تقرب الٰہی کا موجب ہوتا ہے جس قدر ذکر الٰہی میں کوشش ہو گی اسی تناسب سے قرب زیادہ ہو گا اور جس قدر غفلت زیادہ ہو گی اسی قدر بعد ہو گا۔

(۱۳) ذکر الٰہی سے انسان پر معرفت کے بڑے بڑے دروازے کھل جاتے ہیں اور جس قدر زیادہ کرتا ہے اسی قدر معرفت میں بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ معرفت الٰہی کا سب سے بڑا عارف اعظم بن جاتا ہے۔

(۱۴) ذکر الٰہی دل میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت وعظمت اور عزت وجلال کا سکہ بٹھاتا ہے کیونکہ ذاکر

کے دل پر اللہ تعالیٰ کا انتہائی غلبہ واستیلا چھا چکا ہوتا ہے اور وہ پوری طرح حضور قلب سے اللہ کی طرف رجوع ہوا ہوتا ہے مگر ایک غافل الذکر انسان کی یہ حالت بالکل نہیں ہوتی کیونکہ اس کے دل پر ہیبت الٰہی کا محض معمولی اور باریک سا پردہ ہوتا ہے۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے عزوجل آسمانوں میں اس کا تذکرہ کرنے لگ جاتے ہیں چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

ترجمہ: ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا''۔ (سورۃ بقرہ/آیت ۱۰۲)

اور ذکر میں اگر یہی ایک وصف (تذکرہ الٰہی) موجود ہوتو اس کے لیے یہی فضیلت کافی ہے چہ جائیکہ دیگر اوصاف حسنہ اس میں مذکور ہوں، چنانچہ نبی کریم ﷺ سے حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''جو مجھے دل میں یاد کرے میں اسے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو کسی مجلس میں میرا ذکر کرے میں اس کا ایسی مجلس میں تذکرہ کرتا ہوں جو ان سے بہتر ہیں''۔

(۱۶) ذکر الٰہی حیات قلبی کا موجب ہے، جیسے جیسے انسان ذکر الٰہی کرتا جاتا ہے ویسے ہی اس کے دل میں نئی زندگی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ میں (ابن قیمؒ) نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ دل کے لیے ذکر ایسا ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی، تو بتلائے پانی سے جدا ہونے پر مچھلی پر کیا گزرتی ہے؟

(۱۷) ذکر دل اور روح دونوں کی غذا ہے، انسان کو جب ذکر الٰہی کی خوراک نہ ملے تو وہ اس جسم کی طرح بے کار و نکارہ ہو جاتا ہے جس کی خوراک بند کر لی جائے تو وہ کسی کام کا نہیں رہ جاتا۔

شیخ الاسلام کا مقولہ: ایک دفعہ مجھ (ابن قیمؒ) کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا، آپ نے صبح کی نماز پڑھی، پھر وہیں بیٹھ کر تقریباً دو پہر تک ذکر الٰہی کرتے رہے،

ذکر سے فارغ ہو کر بندہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے:

''یہ تو میرا ناشتہ ہے اگر یہ ناشتہ نہ کھاؤں تو یقیناً میری قوت سلب ہو جائے''۔ ایک دفعہ فرمایا:

''بعض دفعہ میں اپنے نفس کو دم دے کر اس لیے قدرے آرام دے لیتا ہوں کہ دوبارہ پوری مستعدی سے ذکر کر سکوں''۔

(۱۸) ذکر دلوں کا زنگ اتار دیتا ہے جیسا کہ سابقہ حدیث شریف میں بیان ہو چکا ہے۔ ہر چیز کو زنگ لگ جاتا ہے اور دل کا زنگ غفلت و ہوا اور خواہش نفسانی ہے اور اس کی جلا ذکر الٰہی اور توبہ و استغفار ہے۔

(۱۹) ذکر الٰہی تمام گناہوں اور بدیوں کو محو کر دیتا ہے کیونکہ ذکر تمام نیکیوں سے اعلیٰ ترین نیکی ہے اور نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

(۲۰) انسان و اللہ تعالیٰ کی باہمی بیگانگی و بے ربطی کو زائل کرتا ہے کیونکہ غافل انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی قسم کا رابطہ نہیں ہوتا، لہٰذا ذکر ہی ایک ایسی چیز ہے جو باہمی رابطہ و تعلقات کو استوار کر سکتی ہے۔

(۲۱) ذاکر اللہ تعالیٰ کا جن کلمات جلالت اور تسبیحات و تحمیدات سے ذکر کرتا ہے وہی اذکار مصائب و تکلیف کے وقت اس کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ امام احمدؒ نے مسند احمد میں پیغمبر خدا ﷺ سے روایت فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''ہیبت و جلال الٰہی سے جو تم اس کی تہلیل و تکبیر اور تحمید کرتے ہو۔ وہ جا کر عرش الٰہی کے گرد گھومنے لگ جاتی ہیں اور شہد کی مکھیوں کی طرح آواز کرتی ہیں اور اپنے فاعل کو یاد کرتی ہیں۔ کیا تمہیں پسند نہیں کہ تمہیں بھی کوئی چیز عرش الٰہی کے پاس یاد کرے۔ اور تمہارا تذکرہ کرے؟''

(۲۲) جب انسان عیش و کشادگی میں ذکر الٰہی کرتے کرتے اللہ تعالیٰ سے تعارف اور راہ و رسم

پیدا کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا واقف کار بن جاتا ہے تو اللہ عزوجل تنگی وشدت میں اس کا واقف کار و مددگار ہوتا ہے اور اس سے جان پہچان رکھتا ہے اور ہر وقت اس کی دستگیری فرماتا ہے۔ چنانچہ اسی مفہوم کی ایک حدیث بھی آئی ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ کا مطیع و ذکر گزار بندہ جب عزوجل کو سختی و مصیبت کے وقت پکارتا ہے یا اپنی کسی حاجت کے لئے دست سوال دراز کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اللہ کسی واقف ومعروف شخص کی معروف سی آواز سنائی دیتی ہے لیکن عزوجل سے اعراض کنندہ غافل شخص جب اللہ تعالیٰ کو پکارتا اور اس کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں مولا! کسی منکر ونا واقف شخص کی غیر معروف آواز ہے۔''

(۴۳) عذاب الٰہی سے نجات کا ذریعہ ہے جیسا کہ معاذؓ کا قول ہے اور مرفوعاً رسول کریم ﷺ سے بھی مروی ہے کہ:

ترجمہ: ''آدمی کوئی ایسا عمل نہیں کرتا، جو اس کے لیے ذکر الٰہی سے بڑھ کر عذاب الٰہی سے نجات دہندہ ہو۔''

(۴۴) ذکر الٰہی کے باعث ذاکر پر عزوجل کی جانب سے آرام وسکینت نازل ہوتی ہے۔ اسے رحمت الٰہی ڈھانپ لیتی ہے اور اس کے گرد رحمت الٰہی کے فرشتے پر باندھ کر گھیرا ڈال لیتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔

(۴۵) ذکر الٰہی زبان کو چغلی وغیبت جھوٹ وبکواس اور گالی گلوچ سے محفوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے کیونکہ آخر کلام تو کرنا ہی ہوتا ہے۔ اگر زبان سے ذکر الٰہی اور تبلیغ احکام نہ کرے تو کبھی جائز بات کہے اور کبھی ناجائز بلکہ بسا اوقات حرام، فسق وفجور اور بے ہودہ بکواسات کہے گا جس سے زبان محفوظ رکھنا ازبس ضروری ہے۔ اور وہ محض اللہ کا ذکر اذکار کرنے سے ہی محفوظ

رہ سکتی ہے اور تجربہ ومشاہدہ دونوں اس پر شاہد ہیں لہٰذا جس نے زبان کو ذکر الٰہی کا عادی بنا دیا اس نے اپنی زبان کو ہر قسم کے باطل و بے ہودہ لغویات اور بکواسات سے محفوظ کر لیا مگر جس کی زبان ذکر الٰہی سے خشک ہو جائے تو ہر لغو و باطل و فحش میں تر رہے گی۔ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہِ۔

(۲۶) ذکر الٰہی کی مجالس فرشتوں کی مجلسیں ہوتی ہیں اور لغو و باطل اور خالی از ذکر مجلسیں شیطانی مجلسیں ہوتی ہیں۔ اب انسان کے سامنے دونوں مجلسیں ہیں جسے بہتر تصور کرتا ہے اسے خود انتخاب کر لے کیونکہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں جس کے ساتھ شامل ہوگا، اسی کے ساتھ ہوگا۔

(۲۷) ذکر سے ذاکر خود بھی سعید و نیک بخت ہو جاتا ہے اور اس کا ہم نشین اور ہم مجلس بھی نیک بخت و نیک اقبال ہو جاتا ہے، غرضیکہ ذکر الٰہی جہاں اور جس وقت بھی ہو بابرکت و قابل عزت چیز ہے لیکن غافل و بیہودہ کو اپنی لغویات اور ذکر الٰہی سے غفلت کے باعث خود بھی بد بخت اور اپنے ہم مجلس کو بھی بد بخت بنا کر رہتا ہے۔

(۲۸) ذکر کی وجہ سے انسان قیامت کے دن حسرت و افسوس سے مامون ومصئون رہے گا کیونکہ جو مجلس ذکر الٰہی سے خالی ہو وہ مجلس اہل مجلس پر قیامت کے دن حسرت و ہلاکت اور بربادی کا موجب ہوگی۔

(۲۹) خلوت میں اللہ کو یاد کر کے رونے سے قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا جس دن سخت گرمی اور انتہا کی دھوپ ہوگی، تمام لوگ سورج کی گرمی و دھوپ میں تڑپ رہے ہوں گے اور ذاکر عرش الٰہی کی ٹھنڈی چھاؤں کے نیچے نہایت عیش و آرام کے ساتھ بیٹھے ہوں گے۔

(۳۰) ذاکر کو ذکر الٰہی میں منہمک رہنے کی وجہ سے بارگاہ الٰہی سے وہ وہ انعامات حاصل ہوں گے کہ جو مانگ کر لینے والوں کو بھی حاصل نہیں ہوتے۔ کیونکہ خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب سے حدیث قدسی میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''جس شخص کو میری یاد سوال و درخواست کرنے سے بند کرے، میں اسے مانگ کر لینے والوں سے زیادہ عنایت کرتا ہوں''۔

(۳۱) ذکر جملہ عبادات سے آسان و افضل ہے: ذکر جملہ عبادات سے اعلیٰ و افضل ہونے کے باوجود سب سے سہل و آسان ترین عبادت ہے کیونکہ زبان کی حرکت جملہ اعضاء وجوارح کی حرکات کی نسبت نہایت خفیف و آسان ترین ہوتی ہے۔ شب و روز جس قدر زبان حرکت کرتی ہے اتنا دیگر اعضاء و جوارح کو حرکت کرنی پڑے تو انہیں انتہائی مشقت ہو اور وہ تھک کر چور ہو جائیں بلکہ اس قدر حرکات تو انسانی طاقت سے باہر ہے۔ یہ زبان ہی کا کام ہے کہ شب و روز اس قدر حرکت اور ہلنے جلنے سے تھکنے میں نہیں آتی۔

(۳۲) ذکر سے جنت میں درخت لگتے ہیں: ذکر الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی یاد بہشت بریں کے پودے و درخت ہیں۔ ترمذی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ترجمہ: ''معراج کی رات ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے محمد ﷺ میری طرف سے اپنی امت کو سلام دینا اور کہنا جنت کی زمین بھی نہایت بہترین و اعلیٰ ہے۔ اور پانی بھی میٹھا ہے اور بے نمکین ہے مگر ہے وہ صاف اور چٹیل میدان اور اس کے پودے ہیں۔ سبحان اللہ ، الحمد للہ لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر ''۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث غریب ہے۔ نیز ترمذی میں مروی ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''جو شخص ایک دفعہ سبحان اللہ کہے۔ اس کے لیے بہشت میں ایک کھجور لگائی جاتی ہے''۔ (قال الترمذی حسن صحیح بواسطہ ابی زبیر عن جابر)۔

مسلمان کا ایمان و عمل

(سید اسعد گیلانی)

ایمان اور عمل کا ربط باہمی جسم و جان کا ربط و تعلق ہے ۔اگر ایمان ہے لیکن عمل نہیں ہے تو وہ ایک ایسی روح ہے جو ظاہری جسم سے محروم ،میدان عمل میں اپنا کارنامہ حیات دکھانے سے عاری اور ایک موہوم تصور ہے جو تکمیل ارادہ سے خالی ہے اور اگر عمل بلا ایمان ہے تو وہ ایک ایسا جسم ہے جو روح سے خالی ہے بظاہر اس کا ہر عضو درست اور اسکے سارے ظاہری خدوخال پورے ہیں لیکن ان میں زندگی کی روشنی اور شعلۂ حیات نہیں ہے جس سے سارا عمل بے کیف ۔بے فیض اور بے نور ہے ایمان عمل کے بغیر موہوم ہے اور عمل ایمان کے بغیر کھوکھلا اور بے نتیجہ ہے۔

جب حضور اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ میں حسنِ اخلاق کی تکمیل کے لیئے بھیجا گیا ہوں تو اس سے مراد یہی تھی کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح مل کر جو اخلاق حسنہ وجود میں لاتا ہے اسکی تمام تر خوبیوں اور رعنائیوں کو نکھارنے اور سنوارنے کے لیے ہی رسول اکرم کی بعثت ہوئی تھی۔

حبشہ کی ہجرت کے زمانے میں نجاشی نے جب مسلمانوں کو بلوا کر اسلام کی نسبت تحقیقات کی تھی تو اس وقت حضرت جعفر طیارؓ نے اسکے دربار میں ایک تقریر کے ذریعے اسلام کے دیئے ہوئے ایمان اور رسول اکرمؐ کے سکھائے ہوئے عمل کی بہت خوبصورتی سے تشریح کی تھی انہوں نے کہا۔

”اے بادشاہ ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے،بتوں کو پوجتے تھے ۔مردار کھاتے تھے بدکاری کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے ۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔زبردست زیردستوں کو

کھا جاتے تھے۔اسی اثناء میں ایک شخص پیدا ہوا اس نے ہم کو سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں۔سچ بولیں۔خون ریزی سے باز آئیں۔یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ہمسایوں کو آرام دیں ضعیف عورتوں پر تہمت نہ لگائیں۔'' یہ تقریر اس ایمان اور عمل کی صالحیت کی طرف اشارہ کرتی ہے،جس کا اسلام تقاضا کرتا ہے۔

اسی طرح قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے جو اس وقت تک کافر تھے قیصر کی قسم دے کر حضور اکرمؐ کے بارے میں معلومات طلب کرنے پر جو آپ کی دعوتِ ایمان اور کیفیتِ عمل کا نقشہ پیش کیا تھا وہ یہی تھا کہ وہ خدا کی توحید اور اسکی عبادت سکھاتے ہیں پاکدامنی اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔سچ بولنے اور قرابت داری کا حق ادا کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

بلاشبہ ایمان مذہب کی اصل اور جان ہے لیکن وہ دل کے اندر کی بات ہے جسکو دوسرا کوئی نہیں جانتا۔زبان سے ایمان و یقین کا اقرار ہر کوئی کرسکتا ہے اس لیے ایمان کے حقیقی اور راسخ ہونے کی پہچان تو اسکے نتائج عمل سے ہی ہوسکتی ہے۔نیز اخلاق حسنہ جو اسکے نتیجے میں تشکیل پذیر ہوں، انہیں سے ایمان کی شناخت ہوسکتی ہے۔اِسی لیے سورۃ مومنون میں عبادات کے ساتھ ساتھ اخلاق و عمل کو بھی اہل ایمان کی ضروری صفات کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور اسی کو ان کی کامیابی کا مدار قرار دیا ہے۔

بلاشبہ وہ ایمان والے کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع کرتے ہیں اور جو لغو باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں.... جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کا لحاظ رکھتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ ان آیات میں اہل ایمان کی کامیابی کے لیے ایمان کے ساتھ ساتھ عملی طور پر وقار تمکنت ۔فیاضی۔پاکدامنی اور ایفائے عہد کی عملی صفات کو بھی ضروری

جزو اخلاق قرار دیا گیا ہے۔ پھر سورۃ بقرہ میں اسی بات کو ایمان و عمل کے موازنے کے طور پر دوسرے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا۔

''نیکی صرف یہی نہیں ہے کہ تم نماز میں اپنا منہ پورب یا پچھم کی طرف کرو بلکہ اصل نیکی اسکی ہے جو خدا پر۔ قیامت پر۔ فرشتوں پر۔ کتاب پر، پیغمبروں پر ایمان لایا اور مال کی خواہش کے باوجود اپنا مال رشتہ داروں کو یتیموں کو غریبوں کو مسافروں کو سائل کو اور گردنوں کو آزاد کرانے کے لیئے خرچ کیا۔ نیز نماز ادا کرتا رہا۔ زکوٰۃ دیتا رہا اور وہ جو وعدہ کر کے اپنے وعدے کو پورا کرتے ہیں اور جو مصیبت تکلیف اور لڑائی میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہی ہیں وہ راست باز لوگ اور یہی تقویٰ والے ہیں'' اس سے ظاہر ہوا کہ راست بازی اور تقویٰ کا پہلا نتیجہ جس طرح ایمان و یقین ہے اسی طرح اس کا دوسرا لازمی نتیجہ حسن عمل اور حسن اخلاق ہے جسکے ضروری اوصاف۔ فیاضی۔ ایفائے عہد اور صبر و ثبات و عزیمت ہیں۔

حضور اکرمؐ کی تعلیمات میں خدا کے نیک اور مقبول بندے انہیں لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو ایمان و یقین کے ساتھ ساتھ حسنِ عمل اور پاکیزہ اخلاق سے بھی آراستہ ہوں۔ سورۃ فرقان میں اس نوعیت کی 14 باتیں مومنین کی صفات بیان کی گئی ہیں جو ایمان و عمل کی خوبیوں پر مشتمل ہیں عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

''رحمٰن کے اچھے بندے وہ ہیں جو زمین پر وقار اور نرمی سے چلتے ہیں اور نا سمجھ لوگ ان سے الجھیں تو سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں جو اپنے پروردگار کی عبادت کے لیئے راتیں قیام و سجود میں گزارتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کا عذاب دور فرما۔ اس لیے کہ یہ عذاب بڑا ہی تباہ کن اور بُرا ٹھکانہ ہے، وہ خرچ کرتے ہیں تو اس میں فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ ہی بخل کرتے ہیں۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کی روش رکھتے ہیں

جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتے اور نہ ہی کسی جان کا ناحق خون بہاتے ہیں جسے رب نے منع فرمایا ہے ۔ جو بدکاری نہیں کرتے جو ایک بہت بڑا گناہ ہے جو جھوٹے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں لغو اور بے ہودہ باتوں سے صرف نظر کر کے سنجیدگی اور وقار سے گزر جاتے ہیں اگر ان کے سامنے ان کے رب کی نشانیاں بیان کی جائیں تو ان کے لیے گونگے اور بہرے ہو کر نہیں رہ جاتے اور جو ہمیشہ یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے بیوی بچوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں نیک لوگوں کا ساتھی اور سربراہ بنا دے۔"

ان تعلیمات سے ہمارے سامنے ایمان کی یہ حقیقت آتی ہے کہ وہ عفو و درگزر میانہ روی پر چلنے اور قتل و خون و بدکرداری سے اجتناب کی تعلیم دیتا ہے اور حسنِ عمل یہی ہے کہ انسان ان تمام چیزوں سے بچے جو اسکے ایمان کے منافی ہوں اور ان اعمال کو سرانجام دے جن کا تقاضا اس کا ایمان کرتا ہو۔ اہل ایمان کے ایمان وعمل کے باہمی ربط و تعلق کی طرف رہنمائی سورۃ شوریٰ میں بھی کی گئی ہے جسمیں اہل ایمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ایمان وعمل کے تقاضوں کا اس طرح تذکرہ کیا گیا ہے۔

"اہل ایمان ...... اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اور وہ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں ۔وہ غصہ کی حالت میں بھی معاف کر دیتے ہیں۔ اور اپنے پروردگار کی پکار کا جواب دیتے ہیں۔نماز ادا کرتے ہیں۔ان کے کام باہمی مشورہ سے سرانجام پاتے ہیں۔جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اسمیں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں جو خدا کی راہ میں لڑتے اور انتقام حق لیتے ہیں۔برائی کا بدلہ اسی قدر ہے اور اگر کوئی معاف کر دے اور نیکی کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

البتہ کوئی مظلوم ہو کر بدلہ لے لے تو اسے کوئی ملامت نہیں ہے۔ملامت ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد مچاتے ہیں ان کے لیئے دردناک عذاب ہے۔

اِسی لیئے حضور اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق بلند ہے دوسری جگہ فرمایا گیا ہے حسنِ اخلاق والا اپنے حسن خلق سے روزہ دار اور نمازی کا درجہ حاصل کرسکتا ہے۔"

غرض اسلام میں ایمان ویقین جس قدر معتبر ہیں اسی قدر عمل اور حسنِ خلق بھی معتبر ہیں اور ان دونوں کے وجود سے ہی اسلامی وجود تشکیل پاتا ہے حضورؐ نے فرمایا!

"ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں جن میں سب سے بڑھ کر توحید ہے اور سب سے کم درجہ یہ ہے کہ تم راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دو تا کہ تمہارے بھائی کو تکلیف نہ ہو۔تین باتوں کو ایمان کا جزو قرار دیا گیا ہے۔

1۔مفلسی میں بھی خدا کی راہ میں دینا۔

2۔دنیا میں امن وسلامتی پھیلانا اور فساد سے باز رہنا۔

3۔خود اپنے نفس کے مقابلے میں بھی انصاف کی بات کرنا۔

ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہﷺ کونسا عمل سب سے بہتر ہے فرمایا۔"بھوکوں کو کھانا کھلانا اور کثرت سے سلام کہنا۔" دوسرے شخص نے پوچھا "یا رسول اللہﷺ ایمان کیا ہے۔ فرمایا صبر کرنا اور جوانمردی دکھانا" ایک نے پوچھا۔ایمان کیا ہے تو فرمایا اچھی بات بولنا اور کھانا کھلانا۔"حضورؐ نے فرمایا منافق کی پہچان یہ ہے۔

1بولے تو جھوٹ بولے 2وعدہ کرے تو وفا نہ کرے 3امانت دی جائے تو خیانت کرے

بندۂ مومن و باعمل کی خوبی یہ ہے کہ وہ خدا کی کبریائی کے مقابلے میں خاکساری اور

فروتنی پیدا کرے اور اسکی بلندی کے مقابلے میں تواضع اور پستی کا احساس ابھارے یہی ایمان کی بنیاد اور حسنِ عمل کا معیار ہے۔

رسولِ اکرم کی تعلیمات کی شان یہی ہے کہ ایمان کو عمل سے علیحدہ نہیں کیا گیا ہے۔ایمان درخت ہے تو عمل اس کا پھل ہے۔ایمان پھول ہے تو عمل اسکی خوشبو ہے۔دنیا لازماً یہ دیکھے گی کہ جب یہ کہا جائے کہ سب کچھ جو تمہارے پاس ہے اسے خدا کی راہ میں لٹا دو ورنہ آسمان کی بادشاہت میں داخل نہ ہوسکو گے،،تو کیا کہنے والوں نے اس پر عمل بھی کر کے دکھایا جب یہ تعلیم دی جائے کہ ''دشمنوں کو پیار کرو'' تو کیا یہ تعلیم دینے والوں نے واقعی دشمنوں سے پیار کر کے دکھایا۔جب یہ کہا گیا '' کہ اگر تمہارے داہنے گال پر کوئی تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی اسکے سامنے کر،تو کیا اسکے معلموں نے خود بھی ایسا کیا۔لیکن تم دیکھتے ہو کہ ایک شخص نے حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت کے اخلاق کیا تھے تو انہوں نے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔"کان خلقه القرآن "یعنی جو قرآن کی تعلیم ایمان کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے وہی عمل صالح کی صورت میں رسول اکرم ﷺ کے کردار میں زندہ و پائندہ موجود ہے۔غریبوں اور مسکینوں کی امداد کا حکم دیا تو پہلے خود اس پر عمل کیا خود بھوکے رہے اور دوسروں کو کھلایا۔اگر دشمنوں کو معاف کرنے کی تعلیم دی تو فتح مکہ پر جان کے دشمنوں سے یہ فرمایا کہ **لاتثریب علیکم الیوم**۔آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے غرض ایمان و یقین کے حامل انسان کے نیک اعمال اس طرح پھلتے پھولتے ہیں جس طرح اچھی زمین اور اچھی آب وہوا میں باغبان کے لگائے ہوئے درخت سرسبز ہوتے اور پھل پھول لاتے ہیں۔لیکن جو شخص ایمان کے بغیر عمل کرتا ہے وہ گویا بنجر اور پتھریلی زمین اور خراب آب وہوا میں باغ لگاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ہر جگہ ایمان اور عمل صالح کو

لازم وملزوم رکھا گیا ہے
مسلمان کو ایمان و یقین کی داخلی قوت کے ساتھ حسنِ اخلاق اور عمل صالح یعنی اللہ و رسولؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کی عملی تعلیم دی گئی ہے اور یہی تعلیم دینے کے بعد اسے یہ بات کہی گئی ہے کہ۔ ''لاتھنو و لا تحز نو وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔''

''نہ گھبراؤ اور نہ غم کھاؤ جدوجہد زندگی میں تم ہی سربلند ہو گے۔ اگر تم مومن ہو'' یہاں مومن سے مراد وہ صاحب ایمان انسان ہے جو اپنے ایمان کے تقاضوں پر عمل پیرا بھی ہوتا ہے۔

اگر ہم دنیا کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں ایسے لوگوں کے کارنامے اسمیں نہیں ملتے جو اپنے نظریات کے خلاف عمل کرتے اور اپنے اعتقادات کے منافی روش زندگی رکھتے ہوں آخر ایسی فوج سے کیا امید ہو سکتی ہے کہ وہ کوئی میدان فتح کرے گی جو اپنے سپہ سالار کی بات بھی نہ مانتی ہو۔ اور جو اپنے کمانڈر کی بات کو سن کر ان سنی کر جائے بھلا ایسے سپاہیوں کا ہجوم فوج کہلا سکتا ہے جو ایک آواز پر حرکت نہ کرے اور کسی نظم وضبط کا پابند نہ ہو۔

ایمان اور پھر اس کے مطابق عمل ہی کسی گروہ کے نظم کی جان ہوتا ہے۔ کسی اصول پر ایمان جتنا راسخ ہوگا اور اس پر عمل جتنا کامل ہوگا۔ نظم وضبط اتنا ہی مضبوط اور وہ گروہ دنیا میں اتنا ہی طاقتور رہوگا۔ اس کے برعکس ایمان میں جسقدر ضعف اور اس پر عمل میں جتنا انحراف ہوگا اس گروہ کا نظم اتنا ہی کمزور رہوگا اور وہ گروہ اپنا مقصد وجود حاصل کرنے میں اسی قدر ناکام ہوگا جس معاشرے میں نفاق۔ انتشار خیالی نافرمانی اور بے ضابطگی کے امراض پھیل جائیں اور پھر بھی اس میں نظم وضبط باقی رہ جائے یہ ممکن نہیں ہے جب سے یہ دنیا آباد ہے ان دونوں کو ایک جگہ جمع نہیں کیا جا سکا ہے۔

آج ہم مسلمان جس صورت حال سے دو چار ہیں وہ ایمان کے نقطہ نظر سے بھی تشویشناک

ہےاور عمل کے لحاظ سے بھی ۔نفاق اور بد عقیدگی کی ہر قسم ہمارے اندر موجود ہے ۔مسلمان معاشرے میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اسلام کی بنیادی تعلیمات تک سے منحرف یا ناواقف ہیں ایسے بھی ہیں جو اسکے بنیادی اصولوں پر شک رکھتے ہیں اور ان شکوک کی اعلانیہ تبلیغ کرتے ہیں ۔ایسے بھی ہیں جو مذہب اور مذہبیت دونوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ایسے بھی ہیں جو خدا و رسولؐ کی تعلیمات کے مقابلے میں کفار سے حاصل کیے ہوئے افکار و خیالات کو ترجیح دیتے ہیں ۔ایسے بھی ہیں جو خدا و رسولؐ کے قانون پر رسم و رواج یا انگریز یا اپنے جاہلیت کے رسوم و قوانین کو مقدم رکھتے ہیں ۔ایسے بھی ہیں جو دشمنان اسلام کی خوشنودی کے لیے شعائر اسلامی کی توہین کرتے ہیں ۔جو اپنے چھوٹے سے چھوٹے فائدے کے لیے اسلام کے بڑے سے بڑے اصول کو توڑنے میں ذرا باک محسوس نہیں کرتے جو اسلام کے مقابلے میں کفار کا ساتھ دیتے ہیں یہ تو ہمارے ایمان کا حال ہے اب ذرا عمل کی طرف بھی آئیے۔

ہمارے عمل کا حال یہ ہے کہ مسلمانوں کی کسی بستی میں چلے جایئے وہاں ایمان کے دعوے کے ساتھ ساتھ بے عملی کا بھی عجب نقشہ نظر آئے گا۔اذان ہو رہی ہوتی ہے۔لیکن بہت سے مسلمانوں کو یہ محسوس بھی نہیں ہوتا کہ موذن کس کو بلا رہا ہے اور کس چیز اور کس مقصد کے لیے بلا رہا ہے۔نماز کا وقت آکر گزر جاتا ہے مگر مسلمانوں کی ایک قلیل سی تعداد کے سوا کوئی مسلمان اپنے کاروبار اور مصروفیت کو یاد خدا کے لیے نہیں چھوڑتا۔رمضان کا مہینہ جب آتا ہے تو بعض مسلمان گھرانوں میں یہ محسوس تک نہیں ہوتا کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے اور طرفہ تماشا یہ کہ روزہ نہ رکھنے والے بعض اوقات الٹا روزہ رکھنے والوں کو شرم دلاتے اور انہیں ملا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔جو روزہ رکھتے ہیں۔ان میں بھی احساس فرض کے مقابلے میں سالانہ رسم کی ادائیگی کا اثر زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔زکوۃ اور حج کی پابندی تو روزے سے بھی کم ہے۔

حلال وحرام اور پاک وناپاک کا امتیاز بھی مسلمانوں میں اٹھتا جارہا ہے آخر وہ کونسی چیز ہے جسے خدا، رسول ﷺ نے منع کیا ہو اور مسلمان اسے ضرورت کے وقت اپنے لیے جائز نہ کر لیتے ہوں اور وہ کونسی حد ہے جسے خدا، رسول ﷺ نے مقرر کیا ہو۔ اور مسلمان اسے پھلانگتے نہ ہوں۔

مردم شماری کی رو سے تو مسلمان کروڑوں کی تعداد میں ہیں لیکن ان کروڑوں میں کتنے فیصد بلکہ کتنے فی ہزار بلکہ کتنے فی لاکھ خدا اور اسکے رسول کے احکام پر ٹھیک ٹھیک عمل کرتے اور ان کے دیے ہوئے ضوابط زندگی کی پابندی کرتے ہیں۔

جس معاشرے میں بے عملی ایمان و اعتقاد کے منافی طرز عمل اور ضعف اعتقاد وضعف کردار متعدی مرض کی طرح عام ہو جائے۔ احساس فرض مٹ جائے۔ سمع و طاعت اور نظم و ضبط ختم ہو جائے اس کا انجام یہی ہو سکتا ہے کہ وہ کثرت میں بھی کمزور اور معذور ہو جائے۔ جب امانت۔ دیانت۔ صداقت۔ وفائے عہد کی صفات ختم ہو کر ان کی جگہ خیانت۔ جھوٹ دغا۔ بدعہدی اور بد معاملگی آ جائے۔ جب افراد معاشرہ۔ تقویٰ۔ پرہیز گاری۔ پاکیزگی اخلاق سے عاری ہو جائیں۔ جب اجتماعی محبت وغیرت روز بروز مفقود ہوتی چلی جائے اور آپس میں دل پھٹتے چلے جائیں تو وہ معاشرہ دنیا میں کس طرح سر بلند ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا کی قوموں میں اس کا اعتماد اٹھتا چلا جاتا ہے بالآخر اپنے بھی بیگانے ہو جاتے ہیں اور اسکی اجتماعی قوت کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔

کسی معقول انسان کے لیے اپنے مقصد حیات کے بارے میں دو ہی طرز عمل معقول ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ کسی نظام حیات کو قبول کرے تو اسکے ضوابط کی پوری پوری پابندی کرے اور اگر اسکے لیے یہ ممکن نہ ہو تو یا اسے قبول نہ کرے اور اگر کر چکا ہو تو علی الاعلان اس میں سے نکل جائے ان دو قسم کے طرز عمل کے سوا تیسرا کوئی عمل بھی معقول نہیں ہو سکتا۔

اس طرز عمل سے زیادہ نامعقول اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ کسی نظام میں انسان شریک بھی ہو اس پر اعتماد و اعتقاد بھی رکھے اور پھر اسکے بنیادی اصولوں سے انحراف بنیادی احکامات سے پہلو تہی اور بنیادی ضوابط کی خلاف ورزی بھی کرے اس طرز عمل سے منافقت پیدا ہوتی ہے خلوص نیت سے دل خالی ہو جاتے ہیں کسی عظیم مقصد کے لیے گرم جوشی اور عزم صمیم پیدا نہیں ہوتا۔ایسی حالت میں انسان جس اجتماعیت میں بھی جاتا ہے اس کے لیے جذام کا مرض بن کر اسے مسخ کر دیتا ہے۔نفاق نے آج تک دنیا کا کوئی میدان فتح نہیں کیا۔

دنیا میں ترقی کا ایک ہی راستہ ہے کہ انسان جن اصولوں پر ایمان لایا ہے خلوص دل سے ان پر عمل پیرا ہو۔ایمان و عمل اسکی زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہوں۔ایمان اور عمل کے بغیر کسی گروہ کی اجتماعی قوت اتنی زبردست نہیں ہوسکتی ہے کہ وہ دنیا میں سر بلند ہو سکے ایک منتشر گروہ جسکے افراد کی اخلاقی اور ایمانی حالت خراب ہو کبھی اس قابل نہیں ہوسکتا کہ دنیا کے منظم اور مضبوط جتھوں کے مقابلے میں سر اٹھا سکے۔گھاس پھوس کے پھولوں کا انبار خواہ کتنا ہی بڑا ہو وہ کبھی قلعہ نہیں بن سکتا۔

مسلمانوں کے بدترین دشمن وہ ہیں جو ان میں بدعقیدگی اور اسلام سے نافرمانی پھیلاتے ہیں ایسے لوگ حربی دشمنوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ یہ باہر سے حملہ نہیں کرتے بلکہ گھر میں بیٹھ کر اندر ہی اندر ڈائنامائیٹ بچھاتے ہیں۔ایسے بے عمل اور بے عقیدہ لوگ مسلمانوں کو دین و دنیا میں رسوا کرنا چاہتے ہیں۔ان کی کم سے کم سزا یہ ہے کہ مخلص مسلمان ان سے اس طرح بچیں جس طرح طاعون کے چوہوں سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس لیے کہ مسلمان کی قوت کا حقیقی سرچشمہ اس کا ایمان اور عمل صالح ہے اگر یہ چشمہ خشک یا گدلا ہو جائے تو پھر ایمان کی تازگی اور عمل کی خوبی کا سارا چمن اجڑ جاتا ہے۔

توجہ اور تصرفِ شیخ

(مولانا اللہ یار خان نقشبندیؒ)

گزشتہ کسی باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ تصوف وسلوک القائی اور انعکاسی عمل ہے، اس لئے اس پر چلنے اور اس میں ترقی کرنے کے لئے صحبتِ شیخ ضروری ہے اور شیخ سے اخذِ فیض اور حصولِ توجہ کے لئے اعتماد علی الشیخ نہایت ضروری ہے۔توجہ،تصرف،ہمت اور جمع خاطر اس سلسلے کی خاص اصطلاحات ہیں،مگر ان کا ماخذ کتابِ الٰہی ہے۔

ترجمہ:''ہم نے عیسیٰؑ کی تائید روح پاک سے کی یعنی وصفِ ملکیت کو بشریت پر غالب کر دیا''۔(حدیث نبویؐ سے اسی حقیقت کی تائید ہوتی ہے):۔

ترجمہ:''حضورﷺ نے (حسان بن ثابت کے حق میں) دعا کی کہ یا اللہ! اس کی امداد روح پاک یعنی جبرائیل سے فرمایا۔''

اس آیت اور حدیث مذکورہ بالا سے تائید و تاثیر باطنی ثابت ہوئی۔حضرت عیسیٰؑ میں تائید باطنی یوں ظاہر ہوئی کہ اوصاف ملکیہ سے متصف ہوئے اور ملائکہ کی دُنیا میں جا آباد ہوئے اور روح کی تفسیر وحی سے کی گئی کہ حضرت حسانؓ بن ثابت کی تائید سے یقیناً تائید باطنی مراد ہے،حضورﷺ نے دُعا فرمائی کہ''الٰہی حسانؓ کے دل میں جبرائیلؑ کے القاء اور الہام سے کفار کی توہین کرنے کی قوت پیدا کر دے تاکہ وہ ایسے اشعار کہنے پر قادر ہو جائیں۔

قُرآن مجید سے القاء اور تصّرف باطنی کی چند مثالیں۔

ترجمہ:''جب تم دشمن تھے،پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں اُلفت ڈال دی۔سو تم خدا کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے''۔(آل عمران)

ترجمہ: ''اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ''۔

ایمان والوں کی ہمت بڑھانے اور انہیں ثابت قدم رکھنے کی صورت کیا ہے جس پر فرشتوں کو مقرر کیا گیا؟ یہی کہ ان کے دلوں میں ایسی قوت کا القاء کریں کہ ان کے دل قوی ہو جائیں اور کفار کا مقابلہ پوری دلجمعی سے کریں۔

حدیث فعلی میں توجہ اور تصرف کی مثال۔

حضور اکرم ﷺ جب غارِ حرا میں تھے تو حضرت جبرائیل تشریف لائے اور تین بار فرمایا، اقراء، دو دفعہ حضور ﷺ نے جواب دیا (ما أنا بقارئ)، مگر تیسری بار حضرت جبرائیلؑ نے سینہ سے لگا کر چھوڑا تو حضور ﷺ نے پڑھنا شروع کر دیا۔

بخاری کی اس حدیث کی شرح میں عارف کامل محدثِ اجل عبداللہ ابی بن جمرہ نے فرمایا۔

ترجمہ: ''اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم سے ہوا جسے بھیجا گیا جو ایک طریقہ حصولِ فیض کا ہے، تو اس جسم کے اتصال سے باطن میں ایک قوتِ نورانیہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس وقت سے دُوسرا شخص اس بوجھ کے اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے چنانچہ جب جسم جبرائیلؑ سے حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے متصل ہوا تو اس میں وہ کیفیت نورانیہ پیدا کر دی، جس کا ہم نے ذکر کیا ہے مزید یہ کہ فرشتہ کی آواز سنی جو اس سے پہلے نہ سُنی تھی۔ اور اہل میراث متبعینِ سنت محققین صوفیا نے یہی طریقہ حاصل کیا ہے۔''

ہمارے سلسلہ میں اس حدیثِ فعلی کی روشنی میں سالک پر ابتدا میں تین بار توجہ کی جاتی ہے اور یہی طریقہ ہمارے ہاں متوارث چلا آتا ہے۔

حدیث ابی ؓ بن کعب

مشکوٰۃ میں حضرت ابیؓ بن کعب کا واقعہ ان کی زبانی مذکور ہے۔

"ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ اسلام کی تکذیب زمانہ جاہلیت سے بھی زیادہ میرے دل میں واقع ہوگئی، جب رسول اکرم ﷺ نے مجھے دیکھا تو میرے سینے پر ہاتھ مارا تو میں پسینہ پسینہ ہوگیا، حالت یہ ہوگئی کہ گویا میں اپنے رب کو دیکھ رہا ہوں۔ صاحب فرقات فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے دستِ مبارک کی برکت سے غفلت زائل ہوگئی، اور فوراً ہی مقام حضور و مشاہدہ حاصل ہوگیا۔"

فائدہ: (۱) توجہ کی غرض غفلت کو دور کرنا اور نورِ ایمان کو تیز کرنا ہوتا ہے۔

(۲) ابیؓ بن کعب کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ توجہ سے انکشاف ہوجاتا ہے۔

(۳) مجاہدات اور ریاضت کے ذریعے سالہا سال اتنا فائدہ نہیں ہوتا جو شیخ کی تھوڑی سی توجہ سے حاصل ہوجاتا ہے۔

(۴) شیخ کی توجہ کے بغیر محض مجاہدات سے منازلِ سلوک طے نہیں ہو سکتے، کیونکہ سلوک اور تصوف القائی اور انعکاسی عمل ہے۔

(۵) توجہ کے لئے قلب میں قبولیت کی استعداد کا ہونا ضروری ہے، اس لئے اِس اعتراض کی گنجائش نہیں کہ ابو طالب پر رسول اکرم ﷺ نے تصرف کیوں نہ کیا؟

توجہ شیخ

تصوف وسلوک کی خصوصیت منازل سلوک اور مقامات سلوک طے کرنا ہے۔

جیسا کہ شامی ۴:۲۳۹ پر ہے:۔

ترجمہ: "اور اس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ شیخ کامل کی توجہ ہے۔ اور یہ ذریعہ محض ایجاد

بندہ نہیں، بلکہ اس کی اصل حدیث میں موجود ہے، چنانچہ فتح الباری شرح بخاری ۱:۸۹

فرمایا یہ حدیث (جبرائیل یا حدیث احسان)اصول دین میں سے عظیم اصل ہے۔ اور قواعد مسلمین میں سے ایک اہم قائدہ ہے۔اور یہ حدیث صدیقین کی معتمد علیہ و سالکوں کی مطلوبہ چیز ہے۔اور عارفوں کا خزانہ اور صلحاء کے آداب میں سے ہے۔حقیقت یہ ہے کہ علماء محققین نے صلحاء کی مجالس کی ترغیب دلائی ہے تا کہ ان اولیاء اللہ و صلحاء کی مجلس عیوب و نقائص پیدا ہونے میں رکاوٹ بن جائے جس کی وجہ ان صلحاء کا احترام یا ان سے حیاء کرنا ہوگا اور تحفۃ القاری ۱:۱۲پر توجہ صوفیاء کا واضح ثبوت بیان ہوا ہے ۔

ترجمہ: ''پس جبرائیلؑ نے مجھے پکڑا اور سینہ سے لگایا اور بھینچا۔علماء ظواہر کہتے ہیں کہ یہ بھینچنا دل کو متوجہ کرنے کے لئے ایک قسم کی تنبیہ تھی کہ جو چیز قلب پر القاء ہوا سے قبول کرلے اور علماء طریقت کہتے ہیں کہ یہ سینے سے لگانا حصولِ فیض کے لئے باطنی توجہ تھی اور بشریت پر ملکیت کو غالب کرنا مقصود تھا۔ پہلی مرتبہ بھینچنے سے مقصد دل کو دُنیا سے خالی کرنا تھا، دوسری مرتبہ وحی کے لئے دل کو فارغ کرنا تھا اور تیسری مرتبہ انس پیدا کرنے کے لئے تھا۔ اسی طرح تصرف باطنی قرآن وسنت سے ثابت ہے اور اسی پر صوفیائے کرام کا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تیرے رب نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو یعنی القاء اور توجہ باطنی سے ثابت قدم رکھو۔

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں اسی حدیث کے مطابق مبتدی سالک کو تین مرتبہ توجہ دی جاتی ہے،پہلی توجہ سے مقصد رُوحانی شکل کی درستی ہوتی ہے۔دوسری دفعہ رفع نحوست کے لئے اور تیسری بار تنویر قلب کے لئے ۔اسی سے سالک میں مقامات و منازل سلوک طے کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔اور اسی لئے توجہ شیخ کامل کے بغیر یہ منازل طے نہیں ہوسکتے ۔

چنانچہ بخاری ۱:۱۴۴ پر حدیث موجود ہے۔

ترجمہ: ''پس اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر وحی نازل کی اور آپ نے کپڑا لپیٹ لیا۔ میں نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ نبی کو اس حالت میں دیکھوں جب آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ادھر آ۔ کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تو نبی کریم ﷺ کو اس حالت میں دیکھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر وحی نازل کر رہا ہو؟ میں نے کہا ہاں! اس پر حضرت عمر نے کپڑے کی ایک جانب کو اُٹھا لیا۔ پس میں نے حضور کو دیکھا کہ آپ غطیط کی حالت میں تھے۔ اور میرا خیال ہے کہ نوجوان اونٹ کی غطیط کی سی کیفیت تھی۔

غطیط کے معنی حبسِ دم ہے معلوم ہوا کہ وحی کی حالت میں حضور ﷺ پر حبسِ دم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ حبسِ دم سے ذکر کرنے اور چادر لپیٹ کر ذکر کرنے کی اصل اِس حدیث میں موجود ہے۔ صُوفیا کرام پاس انفاس کے طریقے یا حبسِ دم سے جو ذکر کراتے ہیں اس کی اصل بھی اِسی حدیث میں موجود ہے۔ صُوفیا جو مراقبہ کراتے ہیں جس کا مطلب فیضِ الٰہی کا انتظار ہے، وہی کیفیت ہے جو نبی کو اس وقت ہوتی ہے جب نزولِ وحی کے وقت احکامِ الٰہی کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ اسی حدیث سے مراقبہ کی اصل بھی ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

(ابومحمد مخدوم زادہ)

آنکھوں والا انسان آسمان کو دیکھتا ہے۔۔۔چاند، سورج، ستاروں کو دیکھتا ہے۔۔۔ ان کی روشنی اور اُن کی گرمی یا خنکی کو محسوس کرتا ہے۔۔۔زمین کو اپنے نیچے پاتا ہے، اس میں باغات دیکھتا ہے۔۔۔اس سے پیدا ہونے والا غلہ، میوے اور پھل کھاتا ہے۔۔۔اُس کے خوش رنگ پھول دیکھتا ہے اور اُن کی خوشبو سونگھتا ہے۔۔۔اس سے پیدا ہونے والی بے شمار چیزوں کو استعمال کرتا ہے اور اُن کے عجیب وغریب خواص اور منافع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

پھر جب تک کہ اس کی عقل بالکل مسخ نہ ہو جائے وہ یہ نہیں سوچ سکتا ہے کہ سب چیزیں خود اپنے ارادہ اور فیصلہ سے ایسی بن گئی ہیں۔وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتا کہ کسی فلسفی یا کاریگر انسان کی فلسفہ دانی یا کاریگری کے یہ سب کرشمے ہیں۔

اس کی سلیم عقل وبصیرت اس کے سوا کسی توجیہ کو قبول نہیں کرسکتی کہ یہ سب کسی" **الخالق والباری** ''ہستی کی قدرت اور صنعت کا کرشمہ ہیں۔

اور سورۃ الذاریات میں ارشاد ہے:

وَ فِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ O وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ O (ذاریٰت:۲۰،۲۱)

''اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہارے اندر میں موجود ہیں، پھر کیا تم کو دکھلائی نہیں دیتا؟''

یہاں انسانوں سے کہا گیا ہے کہ زمین وآسمان میں ہماری قدرت کی جو نشانیاں ہیں ان کے علاوہ خود تمہارے اندر ہماری نشانیاں موجود ہیں تم اگر اپنی فطری بصیرت سے کام لو تو خود

اپنے وجود اور اپنے نظامِ زندگی میں غور کر کے یقین حاصل کر سکتے ہو۔

انسان کیلئے غور وفکر کے مقامات: واقعہ یہ ہے کہ انسان اگر صرف اپنے وجود، اپنے اعضاء اور اپنے نظامِ زندگی ہی پر غور کرے تو فاطر ہستی کے بارے میں اُسے ہرگز کوئی شک وشبہ نہ رہے۔ وہ اپنی ابتداء کو سوچے، رحمِ مادر میں میری یہ صورت کس نے بنائی؟

میرے قالب میں یہ روح کہاں سے آئی؟۔۔۔

میری زندگی کے یہ سامان کس نے پیدا کئے، میری آنکھ میں روشنی کس نے ڈالی؟

میرے کان کے پردوں میں آوازیں سننے کی قابلیت کس نے رکھ دی؟۔۔۔

میری ناک کے غدودوں کو خوشبو اور بدبو کا یہ احساس کس نے دیا؟۔۔۔۔

میری زبان اور میری تالو میں یہ چٹخارہ اور ذائقہ کس نے رکھ دیا؟۔۔۔

جس سے کھانے پینے کے سارے لطف ہیں اور مجھے یہ گویائی کی قوت کس نے دی؟

کیا میرے ساتھ یہ مہربانیاں میری ماں نے کیں؟۔۔۔

میرے باپ نے کیں؟

کیا میرے ان کاموں کے لئے ڈاکٹر کی خدمات حاصل کی گئیں؟۔۔۔

کیا میں نے خود اپنے آپ کو ایسا بنا لیا؟۔۔۔

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے اور یہ سوچا تو اور بھی زیادہ غلط ہوگا کہ میں اپنے یا کسی اور کے ارادہ کے بغیر آپ ہی آپ ایسا بن گیا، پس حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک بڑی حکیم وخبیر اور بڑی کامل القدرت ہستی ''الخالق جل جلالہ'' نے مجھے پیدا کیا ہے اور یہ سب مہربانیاں میرے ساتھ اُسی نے اور صرف اُسی نے کی ہیں۔ (معارف القرآن: ج ۱ص ۵۸)

اپنی تخلیق میں غور کی قرآنی دعوت:

بہر حال تم خود اپنی خلقت میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی عجیب وغریب صنعت وقدرت کا

سبق ملے گا۔تمہاری اصل کیا تھی؟ایک قطرۂ بے جان،جس میں نہ حس وحرکت تھی نہ شعورواراده، نہ وہ بات کرنے کے قابل تھا کہ کسی معاملہ میں جھگڑ کر اپنا حق منوادے یا دوسروں پر غلب آجائے اب دیکھو حق تعالٰی نے اسی قطرۂ ناچیز کو کیا سے کیا بنا دیا؟ کیسی عجیب صورت عطا کی اور کیسی اعلیٰ قوتیں اور کمالات اس پر فائض کئے جو ایک حرف بولنے پر قادر نہ تھا وہ کیسے لیکچر دینے لگا، جس میں ادنیٰ حس وحرکت نہ تھی اب کس طرح بات بات میں جھگڑے کرنے اور حجتیں نکالنے لگا، حتیٰ کہ بعض اوقات مخلوق سے گزرکر خالق سے مقابلہ میں خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا، یہ بھی یاد نہ رکھا کہ میری اصل کیا تھی اور کیسے یہ طاقت حاصل ہوئی؟ پھر اللہ تعالٰی نے اونٹ،گائے،بھیڑ بکری، تمہارے لئے پیدا کئے۔ان میں سے بعض کے بال یا اون وغیرہ سے کمبل،دُتے،ڈیرے خیمے اور سردی سے بچنے کیلئے مختلف قسم کے لباس تیار کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ کسی کا دودھ پیا جاتا ہے کسی کو ہل چلانے میں جوتا جاتا ہے۔گھی،مکھن وغیرہ کی ساری افراط ان ہی جانوروں کی بدولت ہے۔اُن کے چمڑے سے کیسے کیسے عمدہ اور بیش قیمت سامان تیار کئے جاتے ہیں؟جن جانوروں کا گوشت کھانے میں کوئی شرعی ممانعت بھی نہیں ہےاوراس میں کوئی قابل ذکر بدنی یا اخلاقی مضرت بھی نہیں ہے اُن کا گوشت کھایا جاتا ہے ،کتنے غریبوں کی شکم پروری اُس سے ہوتی ہےاور جو دوسری غذائیں ہم کھاتے ہیں اُن کی تیاری میں بھی اِن حیوانات کو کس قدر دخل ہے۔

اونٹ،گائے،بھینس وغیرہ جانور جو گھاس چارہ کھاتے ہیں،وہ پیٹ میں پہنچ کر تین چیزوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔قدرت نے ان حیوانات کے جسم کے اندرونی حصہ میں ایسی مشین لگا دی ہے جو غذا کے کچھ اجزا کو تحلیل کر کے فضلہ(گوبر) کی شکل میں باہر پھینک دیتی ہے اور کچھ اجزاء کو خون بنا کر رگوں میں پھیلا دیتی ہے جو اُن کی حیات وبقا کا سبب بنتا ہے،اوراُسی مادہ میں سے جس کے بعض اجزاء گوبر اور بعض خون بن گئے اِن دو گندی چیزوں کے درمیان

ایک تیسری چیز (دودھ) تیار کرتی ہے جو نہایت پاک، طیب اور خوشگوار چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، اُن کا کوئی انسان احاطہ نہیں کر سکتا، جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: ''یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔'' (ابراھیم: ۳۴)

انسان اگر سارے عالم کو چھوڑ کر اپنے ہی وجود پر نظر ڈال لے تو معلوم ہوگا کہ اس کا وجود خود ایک عالمِ اصغر ہے، جس میں عالمِ اکبر کے سارے نمونے موجود ہیں، اس کا بدن زمین کی مثال ہے، اس پر اُگنے والے بال نباتات کی مثال ہیں، اُس کی ہڈیاں پہاڑوں کی شبیہ ہیں، اس کے بدن کی رگیں جس میں خون رواں ہے زمین کے نیچے بہنے والے چشموں اور نہروں کی مثال ہیں۔

تخلیق انسان کے مختلف مرحلے، اللہ کی ایک اہم نشانی:

ترجمہ: ''رکھتے ہیں، پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں (پھر تمہیں پرورش کرتے ہیں) تا کہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچو، اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بُلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تا کہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے، اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سُوکھی پڑی ہے، پھر جہاں ہم نے اُس پر مینہ برسایا کہ یکا یک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اُگلنی شروع کر دی۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے، اور وہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (الحج: ۵)

مختلف اطوار کی طرف ایک اشارہ:

یہ اشارہ ہے اُن مختلف اطوار کی طرف جن سے ماں کے پیٹ میں بچہ گزرتا ہے۔ ان کی وہ تفصیلات بیان نہیں کی گئیں جو آج کل صرف طاقتور خوردبینوں ہی سے نظر آسکتی ہیں، بلکہ ان بڑے بڑے نمایاں تغیرات کا ذکر کیا گیا ہے جن سے اُس زمانے کے عام بدو بھی واقف تھے۔ یعنی نطفہ قرار پانے کے بعد ابتداء جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا سا ہوتا ہے، پھر وہ گوشت کی ایک بوٹی میں تبدیل ہوتا ہے جس میں پہلے شکل صورت کچھ نہیں ہوتی اور آگے چل کر انسانی

شکل نمایاں ہوتی چلی جاتی ہے۔اِسقاط کی مختلف حالتوں میں چونکہ تخلیق انسانی کے یہ سب مراحل لوگوں کے مشاہدے میں آتے تھے،اس لیے انہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اس کو سمجھنے کے لئے علم الجنین کی تفصیلی تحقیقات کی نہ اُس وقت ضرورت تھی نہ آج ہے۔

بڑھاپے کی وہ حالت جس میں آدمی کو اپنے تن بدن کا ہوش بھی نہیں رہتا،وہی شخص جو دوسروں کو عقل بتاتا تھا، بوڑھا ہو کر اُس حالت کو پہنچ جاتا ہے جو بچے کی حالت سے مشابہ ہوتی ہے۔جس علم و واقفیت اور تجربہ کاری و جہاں دیدگی پر اس کو ناز تھا،وہ ایسی بے خبری میں تبدیل ہو جاتی ہے کہ بچے تک اس کی باتوں پر ہنسنے لگتے ہیں۔

اس سلسلۂ کلام میں اگلا فقرہ تین معنی دے رہا ہے۔ایک یہ کہ اللہ ہی سچا ہے اور تمہارا یہ گمان محض باطل ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی کا کوئی امکان نہیں۔دوسرے یہ کہ اللہ کا وجود محض ایک خیالی اور فرضی وجود نہیں ہے جسے بعض عقلی مشکلات رفع کرنے کی خاطر مان لیا گیا ہو وہ نِرا فلسفیوں کے خیال آفریدہ،واجب الوجود اور علت العلل (First Cause) ہی نہیں بلکہ وہ حقیقی فاعلِ مختار ہے، جو ہر آن اپنی قدرت ،اپنے ارادے،اپنے علم اور اپنی حکمت سے پوری کائنات اور اس کی ایک ایک چیز کی تدبیر کر رہا ہے۔تیسرے یہ کہ وہ کھلنڈرا نہیں ہے کہ محض دل بہلانے کے لیے کھلونے بنائے اور پھر یونہی توڑ پھوڑ کر خاک میں ملا دے۔وہ حق ہے،اس کے سب کام سنجیدہ اور با مقصد اور پُر حکمت ہیں۔

پانچ حقیقتوں کی نشان دہی:

اِن آیات میں انسان کی پیدائش کے مختلف اطوار، زمین پر بارش کے اثرات،اور نباتات کی پیداوار کو پانچ حقیقتوں کی نشان دہی کرنے والے دلائل قرار دیا گیا ہے:

(۱) یہ کہ اللہ ہی حق ہے۔ (۲) یہ کہ وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔

(۳) یہ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۴) یہ کہ قیامت کی گھڑی آکر رہے گی اور

(۵) یہ کہ اللہ ضرور اُن سب لوگوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا جو مر چکے ہیں۔

اب دیکھئے کہ یہ آثار ان پانچوں حقیقتوں کی کس طرح نشان دہی کرتے ہیں۔

پورے نظامِ کائنات کو چھوڑ کر آدمی صرف اپنی ہی پیدائش پر غور کرے تو معلوم ہو جائے کہ ایک ایک انسان کی ہستی میں اللہ کی حقیقی اور واقعی تدبیر ہر وقت بالفعل کارفرما ہے اور ہر ایک کے وجود اور نشو و نما کا ایک ایک مرحلہ اس کے ارادی فیصلے پر ہی طے ہوتا ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک لگے بندھے قانون پر ہو رہا ہے جس کو ایک اندھی، بہری، بے علم و بے ارادہ فطرت چلا رہی ہے۔ لیکن وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو انہیں نظر آئے گا کہ ایک ایک فردِ انسانی جس طرح وجود میں آتا ہے اور پھر جس طرح وہ وجود کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے اس میں ایک حکیم و قادرِ مطلق ہستی کا ارادی فیصلہ کس شان سے کام کر رہا ہے۔

انسانی غذا کو دیکھئے!:

آدمی جو غذا کھاتا ہے اس میں کہیں انسانی تخم موجود نہیں ہوتا، نہ اُس میں کوئی چیز ایسی ہوتی ہے جو نفسِ انسانی کے خواص پیدا کرتی ہو۔ یہ غذا جسم میں جا کر کہیں بال، کہیں گوشت اور کہیں ہڈی بنتی ہے، اور ایک خاص مقام پر پہنچ کر یہی اُس نطفے میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کے اندر انسان بننے کی استعداد رکھنے والے تخم موجود ہوتے ہیں۔ ان تخموں کی کثرت کا حال یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک مرد سے جتنا نطفہ خارج ہوتا ہے اُس کے اندر کئی کروڑ تخم پائے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک بیضۂ انثٰی سے مل کر انسان بن جانے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر یہ کسی حکیم وقدیر اور حاکم مطلق کا فیصلہ ہے جو ان بے شمار امیدواروں میں سے کسی ایک کو کسی خاص وقت پر چھانٹ کر بیضۂ انثٰی سے ملنے کا موقع دیتا ہے اور اس طرح استقرارِ حمل رونما ہوتا ہے پھر استقرار کے وقت مرد کے تخم اور عورت کے بیضی خلئے (Egg Cell) کے ملنے سے جو چیز ابتداءً بنتی ہے وہ اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ خوردبین کے بغیر نہیں دیکھی جا سکتی۔

تمام مراحل قابلِ غور ہیں:

یہ حقیر سی چیز ۹ مہینے اور چند روز میں رحم کے اندر پرورش پا کر جن بے شمار مرحلوں سے گزرتی ہوئی ایک جیتے جاگتے انسان کی شکل اختیار کرتی ہے اُن میں سے ہر مرحلے پر غور کرو تو تمہارا دل گواہی دے گا کہ یہاں ہر آن ایک حکیم فعّال کا ارادی فیصلہ کام کرتا رہا ہے۔ وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کسے تکمیل کو پہنچانا ہے اور کسے خون کے لوتھڑے، یا گوشت کی بوٹی یا نا تمام بچے کی شکل میں ساقط کر دینا ہے۔ وہی فیصلہ کرتا ہے کہ کس کو زندہ نکالنا ہے اور کس کو مردہ۔ کس کو معمولی انسان کی صورت و ہیئت میں نکالنا ہے اور کسے اُن گنت غیر معمولی صورتوں میں سے کوئی صورت دے دینی ہے۔ کس کو صحیح و سالم نکالنا ہے اور کسے اندھا، بہرا، گونگا یا ٹنڈا اور لنجا بنا کر پھینک دینا ہے۔ کس کو خوبصورت بنانا ہے اور کسے بدصورت۔ کس کو مرد بنانا ہے اور کس کو عورت۔ کس کو اعلیٰ درجے کی قوتیں اور صلاحیتیں دے کر بھیجنا ہے اور کسے کودن اور کند ذہن پیدا کرنا ہے۔ یہ تخلیق و تشکیل کا عمل، جو ہر روز کروڑوں عورتوں کے رحموں میں ہو رہا ہے، اس کے دوران میں کسی وقت کسی مرحلے پر بھی ایک خدا کے سوا دنیا کی کوئی طاقت ذرہ برابر اثر انداز نہیں ہو سکتی، بلکہ کسی کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کس پیٹ میں کیا چیز بن رہی ہے، اور کیا بن کر نکلنے والی ہے۔

حالانکہ انسانی آبادیوں کی قسمت کے کم از کم ۹۰ فی صدی فیصلے انہی مراحل میں ہو جاتے ہیں اور یہیں افراد ہی کے نہیں، قوموں کے بلکہ پوری نوعِ انسانی کے مستقبل کی شکل بنائی اور بگاڑی جاتی ہے۔ اس کے بعد جو بچے دنیا میں آتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ فیصلہ کون کرتا ہے کہ کسے زندگی کا پہلا سانس لیتے ہی ختم ہو جانا ہے، کسے بڑھ کر جوان ہونا ہے اور کس کو قیامت کو بوریے سمیٹنے ہیں؟ یہاں بھی ایک غالب ارادہ کارفرما نظر آتا ہے اور غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اُس کی کارفرمائی کسی عالمگیر تدبیر و حکمت پر مبنی ہے جس کے مطابق وہ افراد ہی کی نہیں، قوموں اور ملکوں کی قسمت کے بھی فیصلے کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اگر

کسی کو اس امر میں شک ہے کہ اللہ "حق" ہے اور صرف اللہ ہی "حق" ہے تو بے شک وہ عقل کا اندھا ہے۔

اللہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے:

دوسری بات جو پیش کردہ آثار سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ "اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے"۔ لوگوں کو تو یہ سن کر اچنبھا ہوتا ہے کہ اللہ کسی وقت مُردوں کو زندہ کرے گا، مگر وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو انہیں نظر آئے کہ وہ تو ہر وقت مُردے جلا رہا ہے۔ جن مادوں سے آپ کا جسم بنا ہے اور جن غذاؤں سے وہ پرورش پاتا ہے اُن کا تجزیہ کر کے دیکھ لیجئے۔ کوئلہ، لوہا، چونا، کچھ نمکیات، کچھ ہوائیں اور ایسی ہی چند چیزیں اور ہیں، ان میں سے کسی چیز میں بھی حیات اور نفسِ انسانی کے خواص موجود نہیں ہیں۔ مگر انہی مردہ و بے جان مادوں کو جمع کر کے آپ کو جیتا جاگتا وجود بنا دیا گیا ہے۔ پھر انہیں مادوں کی غذا آپ کے جسم میں جاتی ہے اور وہاں اس سے مردوں میں وہ تخم اور عورتوں میں وہ بیضی خلئے بنتے ہیں جن کے ملنے سے آپ ہی جیسے جیتے جاگتے انسان روز بن بن کر نکل رہے ہیں۔

اس کے بعد ذرا اپنے گردوپیش کی زمین پر نظر ڈالئے۔ بے شمار مختلف چیزوں کے بیج تھے جن کو ہواؤں اور پرندوں نے جگہ جگہ پھیلا دیا تھا، اور بے شمار مختلف چیزوں کی جڑیں تھیں جو جگہ جگہ پیوند خاک ہوئی پڑی تھیں۔ ان میں کہیں بھی نباتی زندگی کا کوئی ظہور موجود نہ تھا۔ آپ کے گردوپیش کی سوکھی زمین ان لاکھوں مُردوں کی قبر بنی ہوئی تھی۔ مگر جونہی پانی کا ایک چھینٹا پڑا، ہر طرف زندگی لہلہانے لگی، ہر مردہ جڑ اپنی قبر سے جی اُٹھی، اور ہر بے جان بیج ایک زندہ پودے کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ احیائے اموات کا عمل ہر برسات میں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔

مشاہدات سے ثابت ہونے والے حقائق:

تیسری چیز جو اِن مشاہدات سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ''اللہ ہر چیز پر قادر ہے'' ساری کائنات کو چھوڑ کر صرف اپنی اِسی زمین کو لے لیجئے، اور زمین کے بھی تمام حقائق وواقعات کو چھوڑ کر صرف انسان اور نباتات ہی کی زندگی پر نظر ڈال کر دیکھ لیجئے، یہاں اُس کی قدرت کے جو کرشمے آپ کو نظر آتے ہیں کیا انہیں دیکھ کر کوئی صاحبِ عقل آدمی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ خدا بس وہی کچھ کر سکتا ہے جو آج ہم اسے کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور کل اگر وہ کچھ اور کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا؟ خدا تو خیر بہت بلند و برتر ہستی ہے انسان کے متعلق پچھلی صدی تک لوگوں کے یہ اندازے تھے کہ یہ صرف زمین ہی پر چلنے والی گاڑیاں بنا سکتا ہے، ہوا پر اڑنے والی گاڑیاں بنانا اس کی قدرت میں نہیں ہے۔ مگر آج کے ہوائی جہازوں نے بتا دیا کہ انسان کے ''امکانات'' کی حدیں تجویز کرنے میں ان کے اندازے کتنے غلط تھے۔ اب اگر کوئی شخص خدا کے لئے اُس کے صرف آج کے کام دیکھ کر امکانات کی کچھ حدیں تجویز کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اس کے سوا وہ کچھ نہیں کر سکتا، تو وہ صرف اپنے ہی ذہن کی تنگی کا ثبوت دیتا ہے، خدا کی قدرت بہر حال اس کی باندھی ہوئی حدوں میں بند نہیں ہو سکتی۔

چوتھی اور پانچویں بات، یعنی یہ کہ ''قیامت کی گھڑی آ کر رہے گی'' اور یہ کہ ''اللہ ضرور ان سب لوگوں کو زندہ اٹھائے گا جو مر چکے ہیں''۔ اُن تین مقدمات کا عقلی نتیجہ ہے جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ اللہ کے کاموں کو اس کی قدرت کے پہلو سے دیکھئے تو دل گواہی دے گا کہ وہ جب چاہے قیامت برپا کر سکتا ہے، اور جب چاہے اُن سے مرنے والوں کو پھر سے زندہ کر سکتا ہے جن کو پہلے وہ عدم سے وجود میں لایا تھا۔ اور اگر اُس کے کاموں کو اس کی حکمت کے پہلو سے دیکھئے تو عقل شہادت دے گی کہ یہ دونوں کام بھی وہ ضرور کر کے رہے گا کیونکہ ان کے بغیر حکمت کے تقاضے پورے نہیں ہوتے اور ایک حکیم سے یہ بعید ہے کہ وہ ان تقاضوں کو پورا نہ کرے۔ جو محدود سی حکمت و دانائی انسان کو حاصل ہے اس کا یہ نتیجہ ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی اپنا مال یا جائیداد

کاروبار جس کے سپرد بھی کرتا ہے اس سے کسی نہ کسی وقت حساب ضرور لیتا ہے۔ گویا امانت اور محاسبے کے درمیان ایک لازمی عقلی رابطہ ہے جس کو انسان کی محدود حکمت بھی کسی حال میں نظر انداز نہیں کرتی۔

پھر اسی حکمت کی بنا پر آدمی ارادی اور غیر ارادی افعال کے درمیان فرق کرتا ہے، ارادی افعال کے ساتھ اخلاقی ذمہ داری کا تصور وابستہ کرتا ہے، افعال میں نیک اور بد کی تمیز کرتا ہے، اچھے افعال کا نتیجہ تحسین اور انعام کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے اور بُرے افعال پر سزا کا تقاضا کرتا ہے، حتیٰ کہ خود ایک نظامِ عدالت اس غرض کے لئے وجود میں لاتا ہے۔ یہ حکمت جس خالق نے انسان میں پیدا کی ہے، کیا باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ خود اس حکمت سے عاری ہوگا؟ کیا مانا جا سکتا ہے کہ اپنی اتنی بڑی دنیا اتنے سروسامان اور اس قدر اختیارات کے ساتھ انسان کے سپرد کر کے وہ بھول گیا ہے، اس کا حساب وہ کبھی نہ لے گا؟

کیا کسی صحیح الدماغ آدمی کی عقل یہ گواہی دے سکتی ہے کہ انسان جو بُرے اعمال کی سزا سے بچ نکلے ہیں، یا جن برائیوں کی متناسب سزا انہیں نہیں مل سکی ہے، ان کی بازپُرس کے لیے کبھی عدالت قائم نہ ہوگی، اور جو بھلائیاں اپنے منصفانہ انعام سے محروم رہ گئی ہیں وہ ہمیشہ محروم ہی رہیں گی؟ اگر ایسا نہیں ہے تو قیامت اور زندگی بعدِ موت خدائے حکیم کی حکمت کا ایک لازمی تقاضا ہے جس کا پورا ہونا نہیں بلکہ نہ ہونا سراسر بعید از عقل ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۲۰۶)

سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ترجمہ: ”وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہے، کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، زبردست ہے حکمت والا۔“ (آل عمران:۶)

انسانی تخلیق کے تدریجی مراحل:

اللہ تعالیٰ کی اسی قدرت کو سورۃ زمر میں یوں بیان کیا گیا:

ترجمہ: ''بناتا ہے تم کو ماں کے پیٹ میں ایک طرح پر دوسری طرح کے پیچھے تین اندھیروں کے بیچ۔'' (الزمر:٦)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور قادرِ مطلق ہونے کا بیان ہے کہ اس نے انسان کو بطنِ مادر کی تین اندھیروں کو کس حکمتِ بالغہ کے ساتھ بنایا اور ان کی صورتوں اور رنگوں میں وہ صنعتکاری فرمائی کہ اربوں انسانوں میں ایک کی صورت دوسرے سے ایسی نہیں ملتی کہ امتیاز نہ رہے، اس علمِ محیط اور قدرت کاملہ کا عقلی تقاضہ یہ ہے کہ عبادت صرف اُسی کی کی جائے۔ اس کے سوا سب کے سب علم قدرت میں یہ مقام نہیں رکھتے، اس لئے وہ لائقِ عبادت نہیں۔ (معارف القرآن، حضرت مفتی محمد شفیعؒ۔ ج ۲ ص ۱۸)

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت کے مطابق کمالِ قدرت سے جیسا اور جس طرح چاہا ماں کے پیٹ میں تمہارا نقشہ بنایا، مذکر و مؤنث، خوبصورت، بدصورت جیسا کہ پیدا کرنا تھا کردیا، ایک پانی کے قطرے کو کتنی پلٹیاں دے کر آدمی کی صورت عطا فرمائی، جس کی قدرت وصفت کا یہ حال ہے کیا اس کے علم میں کمی ہوسکتی ہے؟ (تفسیر عثمانی۔ ص ۶۳)

اس آیت میں قدرتِ خداوندی کے اُن رموز و اسرار کی کچھ نشاندہی کی گئی ہے، جو انسان کی تخلیق میں کارفرما ہیں۔ اول تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ بچے کو شکم میں بیک وقت پیدا کردیتے۔ مگر بہ تقاضائے حکمت و مصلحت ایسا نہیں بلکہ **''خلقاً مّن بعدِ خلقٍ''** تدریج اختیار کی کہ جس عورت کے پیٹ میں عالمِ اصغر بن رہا ہے وہ آہستہ آہستہ اس کا بوجھ برداشت کرنے کی عادی ہوتی چلی جائے۔

ثانی: اس بے نظیر حسین ترین مخلوق کو جس میں سینکڑوں نازک مشینیں اور بال کے برابر رگیں، خون اور روح پہنچانے کے لئے لگائی گئی ہیں۔ یہ عام صنعت کاروں کی طرح کسی کھلی جگہ روشنیوں کی مدد سے نہیں بلکہ تین اندھیروں میں ایسی جگہ پیدا کی گئی ہیں جہاں کسی کی نظر تو کیا

فکر کی بھی رسائی نہیں ۔(معارف القرآن ،حضرت مفتی محمد شفیعؒ ۔ج ۷ص۵۳۸)

فتبارک اللہ احسن الخالقین ۔(المومنون : ۸۴)

غور کریں پھر پیدا ہونے والے جاندار کے ماں باپ کے دل میں اسکی محبت ڈال دی ،کوے کو اپنا کالا بچہ ہی بھلا لگتا ہے اور کتھی کبوتر کو اپنے رنگ کا بچہ اچھا لگتا ہے ،اسے سفید رنگ والے اچھے نہیں لگتے ۔

کہتے ہیں کہ پیرس میں ایک مرتبہ حسین بچوں کا مقابلہ ہوا، دنیا کے بہت سے ماں باپ اپنے اپنے حسین بچوں کو لائے ،اس میں ایک سیاہ فام عورت بھی اپنے بچے کو لے کر آئی ، جب مقابلہ ہوا تو اس حبشن ماں نے بھی اپنے بچے کو پیش کیا، جب جج صاحبان مقابلے کے اختتام پر نتیجہ پیش کرنے بیٹھے تو لوگوں کے تعجب کی انتہا نہ رہی کہ اول نمبر پر جیتنے والی یہی حبشن ماں تھی کہ پانچ ججوں نے متفق ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ آج ان موجود بچوں میں سب سے زیادہ حسن میں پہلا نمبر پانے والا یہ سیاہ فام بچہ ہے ،اس لئے کہ اس کی ماں اس کو دنیا کے حسین بچوں میں شمار کرتی ہے ۔

دعائے مغفرت

ڈسکہ سے عبدالرشید ساہی صاحب کی زوجہ

ملتان سے سعید بھائی کی پھوپھو

بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں ۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء ،علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
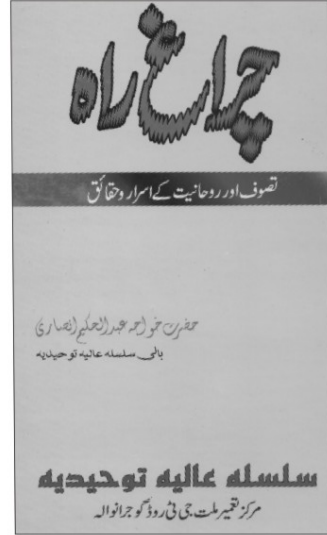
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔
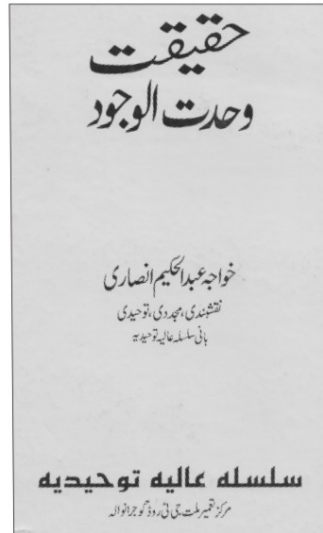
سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت و دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔
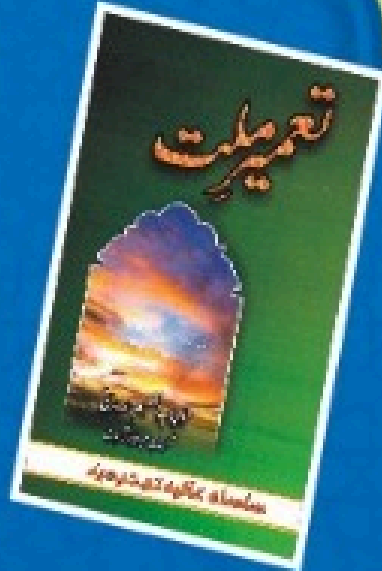
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقا اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔
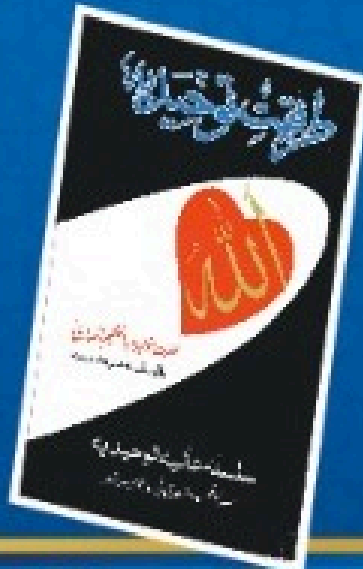
Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com